شعبان المعظم۔شوال المکرم ۱۴۴۱ھ
اپریل۔جون ۲۰۲۰ء

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات: 360، قیمت 500 روپے

حصہ دوم سُورۃ آل عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات 326، قیمت 500 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ
صفحات 331، قیمت 500 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
صفحات 394، قیمت 550 روپے

حصہ پنجم سُورۃُ مریم تا سُورۃُ السّجدۃ
صفحات 480، قیمت 750 روپے

حصہ ششم سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحجرات
صفحات 484، قیمت 750 روپے

حصہ ہفتم سُورۃُ قٓ تا سُورۃُ النّاس
صفحات 560، قیمت 800 روپے

(مکمل سیٹ: 4300 روپے)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۹ شمارہ ۲

شعبان المعظم۔شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ اپریل۔جون ۲۰۲۰ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہما اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیرہ: حافظ عاطف وحید

نائب مُدیرہ:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ مؤمن محمود
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون 3-35869501

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون: 280 روپے، فی شمارہ: 70 روپے

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل		
کچھ علاج اس کا بھی.....!!	حافظ عاطف وحید	3
تذکّر و تدبّر		
مِلاکُ التأویل (۲۱)	ابوجعفر احمد بن ابراہیم الغرناطی	8
فہمُ القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح	افاداتِ حافظ احمد یارؒ	23
شہادتِ حق		
تحریک آزادیٔ نسواں اور اس کا پس منظر	محمد رشید ارشد	38
حسنِ معاشرت		
مفقود الخبر شوہر کی بیوی سے متعلق احکام	پروفیسر حافظ قاسم رضوان	53
فکر و نظر		
یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ (۵)	پروفیسر حافظ احمد یارؒ	58
کتاب نُما		
تعارف وتبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	72
بیانُ القرآن		
MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ علاج اس کا بھی..... !!

حافظ عاطف وحید

اس بات سے قطع نظر کہ کورونا کی عالمی وبا ایک واقعی اور قدرتی شئے ہے یا لیبارٹری میں تخلیق شدہ معاشی ہراسگی اور شیطانی ایجنڈے کا ایک خوفناک ہتھیار' ایک بات اس حالیہ تجربے سے عیاں ہے کہ جب حالات متقاضی ہوں تو بڑے بڑے اور ناممکن العمل فیصلے بھی ممکن'..... بلکہ ناگزیر ہو جاتے ہیں۔عوام وخواص کو ہفتوں گھروں تک محدود کر دینا' معیشت کے پہیے کو بیک جنبش قلم روک کر بدترین معاشی بدحالی کے عوامل کو برداشت کر لینا' ذرائع آمدورفت پر اچانک ایسی بندشیں عائد کر دینا کہ جو شخص جہاں ہے وہیں تا اطلاعِ ثانی پھنس کے رہ جائے..... وغیرہ وغیرہ' ایسے فیصلے ہیں کہ جن کا پہلے سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا!

پاکستان سمیت کئی دیگر غریب ممالک نے اس وباء سے پیدا شدہ حالات کی بنا پر عالمی مالیاتی اداروں اور ترقی یافتہ اور مستحکم ممالک سے قرضوں میں رعایت اور سود کی معافی کا مطالبہ کیا ہے۔بعض امیر ممالک اس مطالبے پر انتہائی سنجیدگی سے غور بھی کر رہے ہیں۔ یہاں ایک فطری سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی معیشت پر قرضوں اور سُود کا اصل بوجھ تو داخلی ذرائع سے حاصل شدہ قرضوں کا ہے۔بعض اَن کہی وجوہات کی بنا پر موجودہ مالیاتی سال میں داخلی قرضے بیرونی ذرائع کی نسبت کئی گُنا زیادہ شرح پر حاصل کیے گئے ہیں۔ ماضیٔ قریب میں ملکی بینکوں سے جو بلند شرح سود پر قرض حاصل کیا گیا ہے اسے ملکی معیشت پر تاریخ کا بدترین بوجھ قرار دیا گیا ہے' جس سے موجودہ حکومت تو دور کی بات ہے' آئندہ کی حکومتیں بھی اپنے جاری اخراجات پورا کرنے میں ناکام اور فلاحی منصوبے پسِ پشت ڈالنے پر مجبور رہیں گی۔ ایسے میں ''فلاحی ریاست'' کا دعویٰ ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کچھ نہیں ہے!

ہماری رائے میں اس صورتحال سے نکلنے کے لیے فائنانشل ایمرجنسی کا نفاذ ناگزیر ہے!اور اس ایمرجنسی کا مرکزی نکتہ سودخوروں کے چنگل سے آزادی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہوگا.....؟ اس نکتے کی وضاحت سے پہلے چند حقائق ذہنوں میں تازہ کر لیجئے۔

(۱) قرآن سمیت ہر آسمانی کتاب نے سودخوری کو بدترین جرم اور گناہ قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت محمد ﷺ سمیت ہر پیغمبر خدا نے سودخوری کا انجام معاشی اور اخلاقی تباہی بتایا ہے۔

(۳) ہر بڑے فلسفی و مفکّر نے سود اور سودی نظام کو تباہ کن' انسانیت سوز' معاشی سرطان اور شیطانی جال قرار

دیا ہے۔ چنانچہ:

۞ معروف یونانی فلسفی اور مفکّر ارسطو [وفات ۳۸۴ ق م] نے تو ۳۵۰ قبل مسیح میں ہی یہ بات واضح کر دی تھی کہ:

''عام طور پر سود خوروں کے کاروبار سے نفرت کرنے کی اہم وجہ: یہ کاروبار محض کرنسی (زر) کے لین دین سے نفع کما لیتا ہے، جبکہ کرنسی کی وجہِ تخلیق حقیقی کاروباری ذرائع وطریقوں کو آسان اور سادہ بنانا ہے (نا کہ منافع خوری کا ذریعہ)۔ کرنسی کے لین دین کو منافع خوری کا ذریعہ بنانے والوں کی مشترکہ خصوصیت طمع و لالچ ہی ہے!''

''کرنسی کی ایجاد کا مقصد تبادلۂ اشیاء میں اس کا استعمال تھا، نا کہ اس سے سود (ربا) کمانا۔ جبکہ سود (انٹرسٹ) کی اصطلاح کا مطلب ہی پیسوں سے پیسہ بنانا ہے۔ گویا کسی جگہ پڑے ہوئے پیسوں نے انڈے بچّے دینے شروع کر دیے ہوں، کیوں کہ جیسے والدین ویسے ہی بچّے!''

۞ مشہور اطالوی مفکّر اور مذہبی رہنما تھامس ایکویناس [وفات ۱۲۷۵ء] نے تیرھویں صدی میں یہودی ساہوکاروں کے عزائم کو بھانپ لیا تھا۔ اس نے کہا:

''یہودیوں کو وہ مال رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جو انہوں نے لوگوں سے یوژری (ربا یا سود) کے ذریعہ حاصل کیے ہوں۔ چنانچہ بہتر یہ ہوگا کہ ان سے کام کاج کروایا جائے تا کہ وہ بھی محنت کی کمائی سے اپنی زندگی گزارا کریں، بجائے اس کے کہ وہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے حرص وہوس کی زندگی بسر کریں۔

۞ پندرھویں صدی کے جرمن فلاسفر مارٹن لوتھر [وفات ۱۵۴۶ء] کا خیال تھا کہ:

''یہودی اتنے سخت مزاج لوگ ہیں کہ اُن پر کلامِ نرم ونازک بے اثر ہی رہتا ہے۔ کوئی عہد و پیمان بھی انہیں راہِ راست پر رکھنے کے لیے مفید نہیں۔ یہ سراسر مضر ونقصان دہ نسل ہے جو انسانوں کو یوژری (ربا یا سود) کے ذریعے اپنے شکنجے میں جکڑ لیتے ہیں۔ اگر کبھی کسی والیٔ سلطنت یا حکمران کو ایک ہزار درہم (فلورینس) دے بھی دیں تو ان سے چالبازیوں سے بیس ہزار درہم واپس لیں گے۔ ہمیں ہمیشہ ان سے محتاط ہی رہنا چاہیے!''

۞ سولہویں صدی کے پوپ کلیمنٹ [ہشتم، وفات ۱۶۰۵ء] کے خیال میں:

''دنیا بھر کے لوگ یہودیوں کے سُود، اجارہ داریوں اور مکر وفریب کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہیں۔ اُنہوں نے بہت سے پسماندہ حال لوگوں، بالخصوص کسانوں، محنت کشوں اور بے کسوں کو شدید نوعیت کی غربت کی دلدل میں پھنسا دیا ہے (کہ اب انہیں سوائے دو وقت کی روٹی کے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں)۔''

۞ امریکہ کے سولہویں صدر ابراہم لنکن [وفات ۱۵/اپریل ۱۸۶۵ء] کو اسی بات کی سزا ملی تھی کہ انہوں نے کرنسی کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ ان کے مطابق:

''کاروبارِ مملکت کو چلانے اور صارفین کی قوتِ خرید کو قائم رکھنے کے لیے جتنی کرنسی (زر) اور قرض درکار ہے اس کو چھاپنے، جاری کرنے اور مارکیٹ میں گردش میں رکھنے کا کُل اختیار حکومت کے ہاتھ میں ہونا

چاہیے۔ زر کی تخلیق اور اجراء حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہی نہیں' بلکہ یہ حکومت کے پاس اپنی کارکردگی اور مہارت کے اظہار کا بہترین موقع بھی ہوتا ہے۔ قومی اداروں (مثلاً سرکاری ہسپتال' سرکاری سکول' سرکاری ایئرلائن وغیرہ) کو فنڈز کی فراہمی اور حکومتی خزانے کا بالفعل انتظام و انصرام حکومت و ریاست کے اہم انتظامی شعبے ہیں۔ اس طرح (یعنی تخلیق زر پر حکومت کے کنٹرول سے) روپے پیسے کی حاکمیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور پیسہ انسانیت کی خدمت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

- بیسویں صدی کے مشہور اینگلو فرنچ تاریخ دان ہیلئر بیلاک [وفات ۱۹۵۳ء] سودی نظام کے حوالے سے کس قدر واضح تھے۔ ان کی یہ سٹیٹمنٹ کس قدر چشم کشا ہے:

''اگرچہ سود (بیاج) خود اپنی ذات میں ہی 'اخلاق باختگی' ہے اور ہر اخلاقی ضابطے کے ذریعے اس کی مذمت کی جاتی ہے (اور کی جانی چاہیے)' تاہم زیرِ بحث معاملے (یعنی سرمایہ دارانہ نظام کے فروغ اور محنت کش طبقے کی تعداد میں مستقل اضافہ) کے حوالے سے نظامِ سود کا بدترین اور نمایاں ترین پہلو یہ ہے کہ یہ عام لوگوں کی زندگیوں پر اہلِ ہوس کے کنٹرول کے ارتکاز کا باعث ہے۔ یعنی محنت کش طبقے پر چند ایسے شاطر عناصر کا کنٹرول جو کہ کرنسی کے قرض یا اشیاء کے ادھار پر کامل تسلّط رکھتے ہیں..... جس کے بغیر محنت کش نہ کھا پی سکے' نہ پہن سکے اور نہ کام پر برقرار رہ سکے۔''

- بیسویں صدی ہی کے جرمن مصلح اور رہنما جولئیس سٹریچ [وفات ۱۹۴۶ء] کو سود کی ہلاکت خیزی کا آج کے مسلمانوں سے زیادہ شعور تھا۔ ان کے مطابق:

''ہم نے اپنے ہی لوگوں کے اہم ترین ملکیتی اثاثے' یعنی ریلوے' سڑکیں' بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے اُن اغیار کے حوالے کر دیے ہیں جنہوں نے دو ہزار سال قبل کے معبدوں کو سود خانوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اُس وقت ایک ایسی شخصیت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سامنے آئی جس نے اُن بدمعاشوں کی کمر پر کوڑا برسایا اور انتہائی جرأت کے ساتھ اُن ایمان فروشوں کی قوت کو کچل کر رکھ دیا۔ آج اگر کوئی ایسا مصلح اور انسان دوست شخص اپنی قوم کی مسیحائی کی جرأت کرے گا تو اسے قید خانے میں پھینک دیا جائے گا۔''

- مشہور کار ساز کمپنی ''فورڈ'' کے مالک اور مؤسس ہینری فورڈ [وفات ۱۹۴۷ء] کو بھی یہی کہتے بنی کہ:

''ان (عالمی) مالیاتی اداروں کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ قرضوں (اور زر) کی تخلیق کے لامتناہی سلسلے سے دنیا پر کنٹرول حاصل کیا جائے۔

- بیسویں صدی کے امریکی شاعر اور نقاد جون مینارڈ [وفات ۱۹۴۶ء] اور ایزرا پونڈ [وفات ۱۹۷۲ء] کو بھی سودی نظام کے حوالے سے یہی بات سمجھ آئی کہ:

''کم از کم اگلے سو سال کے لیے ہمیں اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ باور کروانا پڑے گا کہ حق اصل میں باطل ہے اور ناحق درحقیقت حق ہے۔ یعنی ہمیں صحیح کو غلط اور مضر جبکہ غلط کو صحیح اور فائدہ مند قرار دینا ہوگا۔ حرص و ہوس' سود اور احتیاط پسندی کو ہمیں کچھ دیر کے لیے اپنا ''خدا'' تسلیم کرنا پڑے گا۔''

''سود دنیا کے لیے ایک ناسور (کینسر) ہے۔ اقوامِ عالم کے وجود کو اس ناسور سے پاک کرنے کے لیے

صرف فسطائیت (جبر وتشدد) کے نشتر سے ہی سرجری مفید ہوسکتی ہے۔''

(۴) علامہ اقبالؒ نے تو اس بارے میں یہ فرما کر کمال ہی کر دیا ہے ؎

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نہ داند لذّتِ قرضِ حسن
از ربا جاں تیرہ‘ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

''سود سے سوائے فساد کے اور کس چیز میں اضافہ ہوسکتا ہے؟ (افسوس کہ) بغیر سود قرض دینے کی لذت کسی کو معلوم نہیں! سود سے روح تاریک اور دل اینٹ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور انسان بغیر دانتوں اور پنجوں کے درندہ بن جاتا ہے۔''

اور ؎

ایں بنوک ایں فکر چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

''یہ بینکاری یہودیوں کے چالاک اور عیار ذہن کی پیداوار ہے اور اس نے انسان کے سینے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نور کو نکال باہر کیا ہے۔ اور جب تک یہ سودی نظامِ معیشت ملیامیٹ نہیں ہو جاتا تب تک کہاں کی دانش‘ کہاں کی تہذیب اور کہاں کا دین و مذہب؟''

(۵) جاپان اور دوسرے متعدد ممالک نے یہ راز جان کر کہ سود ایک ''ناسور'' ہے‘ اپنے ہاں شرح سود کو صفر تک بلکہ بعض کیسز میں منفی شرح تک گرا دیا ہے۔ اس تجربے سے ان کی معیشت میں نہ کوئی تباہی آئی اور نہ زلزلہ.... بلکہ انہیں معاشی استحکام اور ترقی نصیب ہوئی!

چنانچہ سوال یہ ہے کہ ہمارے وزیراعظم صاحب عالمی مالیاتی اداروں اور غیر حکومتوں سے سود کی معافی کی توقعات وابستہ کرنے سے پہلے ملکی سُود خوروں اور سودی نظام کی جانب التفات کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ فساد کی اصل جڑ ہمارے داخلی سودی قرضے ہیں۔ لہٰذا بیان کردہ حقائق کی روشنی میں ہماری تجویز ہے کہ ملک میں فائنانشل ایمرجنسی لگا دی جائے۔ اس معاشی پالیسی کے اہم اور بنیادی نکات یہ ہوں گے:

(۱) ایک سال کے لیے ملکی بینکوں سے حاصل کیے ہوئے قرضوں پر سود کی ادائیگی کو اُسی انداز اور عزم و جزم سے روک دیا جائے جیسے کورونا کی وجہ سے لاک ڈاؤن جیسے سخت فیصلے کیے گئے۔ اس سے بجٹ میں جو خطیر رقم میسّر ہوگی اُسے ملک میں پیداواری صلاحیت میں اضافے کے لیے مختص کر دیا جائے۔ اُن صنعتوں کو خصوصی ترغیبات دی جائیں جو برآمدات بڑھانے کا ذریعہ بنیں۔

(۲) سود کی ہلاکت خیزی اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے جو صنعتیں بند ہوگئی ہیں انہیں ازسرِنو آباد کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

(۳) ڈویلپمنٹ کے شعبے میں اخراجات کو بڑھایا جائے اور جاری اخراجات میں کمی کی جائے۔

(۴) آئندہ کے لیے سودی نظام کی حوصلہ شکنی کے لیے سود کے خاتمے کا ترمیمی بل پیش کیا جائے اور اسے بلا تاخیر پارلیمنٹ سے منظور کیا جائے۔ غیر سودی طریقوں کو رائج کرنے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر قانون سازی کی جائے۔ یاد رہے کہ متبادل نظام کے خدوخال اور تفصیلات پر بیسیوں رپورٹیں لکھی جا چکی ہیں۔ کمی صرف قوتِ ارادی اور ایمانی جذبے کی ہے۔ یا دوسری وجہ سودی اداروں کے وہ vested interests ہیں جو سود سے نجات کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

(۵) متذکرہ بالا اقدامات کو قانونی سہارا دینے کے لیے فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس اٹھارہ برس سے زیرِ التواء انسدادِ سود کے مقدمے کے فیصلے کی راہ میں حائل نادیدہ رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔

(۶) سٹیٹ بینک، منسٹری آف فائنانس اور مانیٹری پالیسی کمیٹی سے ایسے عناصر کو بے دخل کیا جائے جو سودی نظام کی حمایت میں کمربستہ ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ملک کو قرض کی دلدل میں مزید پھنسانے اور موجودہ حکومت کو ناکام بنانے کے لیے طویل مدّتی قرض کا حجم ۵۰۰ ۷ ارب سے بڑھا کر ایک ہی سال میں ۲۰۰ ۱۵ ارب تک پہنچا دیا۔ گویا اب تین سال تک حکومت کو اس اضافے پر ۱۴ فیصد کی شرح سے سود ادا کرنا پڑے گا، جو کہ پاکستان جیسی معیشت کے لیے ہولناک معاملہ ہونے کے اعتبار سے بہتّر سالہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے! بقول غالبؔ:

قرض کی پیتے تھے مئے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن!

جناب وزیراعظم پاکستان! یہ چند باتیں نہایت اختصار کے ساتھ اور خالصتاً نیک نیتی کے جذبے کے ساتھ تحریر کی گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے پورے عزم و ارادے کے ساتھ اور اللہ کی مدد کے بھروسے پر ابھی اور اِسی وقت یہ بڑا فیصلہ کر لیا جائے۔ سُود سے نجات میں ہی ہماری خیریت ہے۔ اور اگر ہم یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر، خاکم بدہن، ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو (خدائی تنبیہات اور زمینی حقائق کے عین مطابق) قحط، معاشی غلامی اور فتنہ و فساد سے بچانا ممکن نہ گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے۔ آمین!

دل کے ٹکڑوں کو بغل گیر لیے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں؟

(مرزا رفیع الدین سوداؔ)

مِلاکُ التأوِیل (۲۱)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورۃُ الاعراف

چوتھا سوال یہ تھا کہ سورۃ الاعراف اور سورۃ الملائکۃ (فاطر) میں اس بات کا ذکر ہے کہ ہوائیں بادلوں کو ہنکاتی ہوئی ایک مردہ بستی کی طرف لے جاتی ہیں' لیکن سورۃ الروم کی آیت میں اس بات کا ذکر نہیں' اس کے بجائے یہ کہا گیا کہ دیکھو! کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو آسمان میں کیسے پھیلا دیتے ہیں اور پھر اسے ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ بارش جگہ جگہ برسے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کلام میں طوالت مقصود تھی تو یہاں بھی باقی دونوں سورتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے' بیان کیا جاتا اور اگر اختصار مقصود تھا تو پھر آسمان میں بادلوں کے پھیلائے جانے کا ذکر کر کے کلام میں طول کیوں دیا گیا؟

جواب یہ ہے کہ تینوں آیات اپنی اپنی جگہ ایجاز اور بلاغت کا شاہکار ہیں۔ سورۃ الروم میں مردہ بستی کی طرف بادلوں کو ہنکائے جانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ دو آیتوں کے بعد ہی وہاں بھی مردہ زمین کو زندہ کیے جانے کا تذکرہ آ رہا ہے۔ فرمایا:

﴿فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ (آیت ۵۰)

''اور پھر دیکھو اللہ کی رحمت کے اثرات کی طرف! کیسے وہ زمین کو زندہ کرتا ہے جبکہ وہ مر چکی تھی۔''

اور اگر یہاں بھی کہا جاتا کہ ہم نے اسے مردہ زمین کی طرف ہنکا دیا تو یہ تکرار کا باعث بنتا۔ البتہ سورۃ الروم میں جو بادلوں کے ہنکائے جانے اور ٹکڑیوں میں تقسیم ہونے کا ذکر کیا گیا تو اس سے مقصود یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ نصیحت کا موقع دیا جائے' زیادہ سے زیادہ عبرت پذیری کا سامان مہیا کیا جائے اور ان باتوں کی نشاندہی کی جائے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کے انعامات اُجاگر ہوں۔ دیکھئے کہ پہلے یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزا چکھائے۔''

اور پھر ایک اور نعمت کا تذکرہ ہے: ﴿وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ﴾ ''اور تاکہ کشتی اس کے حکم سے رواں دواں

رہے۔'' پھر ایک اور نعمت کا: ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کر سکو''۔ اب جب کئی نعمتوں کا بیان ہو گیا تو دوبارہ ہواؤں کا ذکر لایا گیا کہ وہ کیسے بادلوں کو ہنکاتی ہیں اور اس کی مناسبت سے کہا گیا: ﴿فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ ''اور پھر وہ جیسے چاہتا ہے اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے''۔ یعنی زمین کے مختلف قطعوں پر وہ ایک سائبان کی مانند تنا ہوا نظر آتا ہے۔ پھر اسے وہ ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور پھر تم دیکھتے ہو کہ پانی اس میں سے کیسے چھلکتا ہے۔ اور پھر جہاں جتنا جتنا پانی اس کے دامن میں ہوتا ہے وہ اسے برسا دیتا ہے۔ اور آخر میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۸﴾

''اور پھر جب وہ اسے اپنے جن بندوں پر چاہتا ہے برسا دیتا ہے تو وہ خوب خوش خوش نظر آتے ہیں۔''

اس سورت میں مقصود چونکہ اللہ کی نعمتوں کا بیان تھا' اس لیے بارش اور اس کے لوازمات کا تفصیلی تذکرہ ہوا اور یوں سورۃ الروم کی یہ آیات باقی دو سورتوں سے مختلف نظر آتی ہیں۔ ان آیات کی ابتداء ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ سے ہوتی ہے اور مضمون کی انتہاء ﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ﴾ والی آیت پر ہو جاتی ہے۔

اب آیئے پانچویں سوال کی طرف کہ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوا: ﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ (سُقْنَا کے بعد ''لام'' ہے یعنی ہم نے اسے ایک مردہ بستی کے لیے ہنکایا) اور سورۃ الملائکۃ (فاطر) میں ﴿فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ کہا گیا۔ یہاں ''سُقْنَا'' کے بعد ''اِلٰی'' ہے' یعنی ہم نے اسے ایک مردہ بستی کی طرف ہنکایا۔

اور پھر دونوں آیات کی ابتداء کو بھی دیکھئے۔ سورۃ الملائکۃ میں ''سُقْنَا'' سے پہلے ''فاء'' ہے: ''فَسُقْنٰهُ'' جب کہ سورۃ الاعراف میں ''فاء'' نہیں ہے۔ پہلے ہم ''فاء التعقیب'' کو لے لیتے ہیں۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا: ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ''پھر جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں۔'' یہ اسلوبِ کلام جواب کا منتظر ہے کہ جب ایسا ہوا تو پھر کیا ہوا۔ یہاں بغیر کسی توقف کے جواب دیا جاتا ہے' فاء التعقیب کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سورۃ یونس میں اس کی مثال ملاحظہ ہو:

﴿حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ﴾ (آیت ۲۲)

''اور پھر جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں ایک سازگار ہوا کے ساتھ چلتی ہیں اور لوگ خوش ہو جاتے ہیں تو ایک طوفانی ہوا ان تک پہنچتی ہے۔''

یہاں بھی ''حَتّٰی'' سے کلام شروع ہوا اور جواباً ''جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ'' کا جملہ بغیر فائے تعقیب کے لایا گیا۔ ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ (البقرۃ:۸۹) ''اور جب ان کے پاس وہ کچھ آیا جو وہ جانتے تھے' انہوں نے اس کا انکار کیا۔'' یہاں بھی آیت کا آغاز ''لَمَّا'' سے ہوا اور جواب

(كَفَرُوْا بِهٖ) بغیر فاء التعقیب کے لایا گیا۔ سورۃ الاعراف کی آیات میں بھی فاء تعقیب کی چنداں ضرورت نہ تھی، نہ جو کہ بطور جواب آتی ہے اور نہ جو بطور عطف آتی ہے۔

اب سورۃ الملائکۃ کا اندازِ کلام دیکھئے:

﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾

یہاں ہواؤں کے ارسال کیے جانے پر تین چیزوں کا عطف کیا گیا ہے: (۱) پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ (۲) پھر ہم اسے ایک مردہ زمین کی طرف ہنکاتے ہیں۔ (۳) پھر ہم اس (پانی) سے زمین کو زندہ کرتے ہیں جو کہ مر چکی تھی۔ یہاں ''فَاء'' کا لانا ترتیب کے لیے بھی اور تعقیب کے لیے بھی بالکل مناسب تھا۔ یہاں سیاقِ کلام سورۃ الاعراف سے بالکل مختلف ہے، اس لیے دونوں جگہیں اپنی اپنی جگہ مناسب اندازِ کلام رکھتی ہیں۔

اب رہی دوسری بات کہ سورۃ الاعراف میں ﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ لایا گیا ہے اور دوسری سورت میں ﴿اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ کہا گیا ہے۔ تو منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے ''لام'' اور ''اِلٰی'' دونوں کا استعمال جائز ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت میں چونکہ ایجاز ہے اس لیے صرف حرفِ لام پر اکتفا کیا گیا اور سورۃ الملائکۃ میں ''فاءِ تعقیب'' کی بنا پر قدرے اطناب ہے تو یہاں حرفِ جر ''اِلٰی'' لایا گیا۔

سورۃ الروم میں یہ بیان تفصیل کے ساتھ آیا ہے کہ پانی کیسے بادلوں سے چھلکتا ہے، اور یہ کہ وہ بادلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بنا پر زمین کے مختلف گوشوں پر برستا ہے تاکہ زمین کا ہر حصہ سیراب ہو سکے اور وہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کھانا کھاتا ہے اور وہ غذا پھر بدن کے ہر حصے کو تقویت پہنچاتی ہے، اسی طرح پانی بھی اگر صرف ایک جگہ برستا تو نقصان دہ ہوتا اور اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

یہ سارا کا سارا بیان عبرت و نصیحت کا مرقع ہے، حکمت اور دانائی سے بھرپور ہے، یہ آیتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور ان میں کوئی تعارض یا اشکال نہیں ہے۔ یہ بھی ملاحظہ ہو کہ ہر آیت کے الفاظ میں کیا مناسبت رکھی گئی ہے۔ سورۃ الاعراف میں کہا: ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ''اور ہم نے اس پانی سے ہر طرح کا پھل نکالا''۔ دیکھئے یہ الفاظ پچھلی آیت سے کیسے مناسبت رکھتے ہیں، وہاں فرمایا تھا: ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل اٹھاتی ہیں۔'' بھاری بادل پانی کی کثرت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور پھر مناسب تھا کہ اس ماءِ کثیر سے پھل بھی کثرت کے ساتھ پیدا ہوں۔

سورۃ الفرقان میں فرمایا تھا کہ ہم اس پانی سے انسان اور حیوان دونوں کو سیراب کرتے ہیں تو مناسب تھا کہ پانی کو ''طَهُوْر'' (پاک وصاف) کہا جاتا۔ وہاں بھی پھلوں کے پیدا ہونے کا اشارہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: ﴿لِنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ ''تاکہ ہم اس پانی سے ایک مردہ بستی کو زندہ کریں۔''

سورۃ الروم کی آیات میں بھی اس مناسبت کو ملاحظہ کریں۔ وہاں لوگوں کے بارش برسنے سے خوش ہونے کا

ذکر ہے: ﴿فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ اور اس آیت سے قبل ہواؤں کا وصف مُبَشِّرٰتٍ کے لفظ سے لایا گیا تھا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔'' اور اس خوشخبری کی جھلک اگلی آیات میں دیکھی جاسکتی ہے کہ کیسے پانی بادلوں سے چھلکتا ہے اور کیسے وہاں وہاں برستا ہے جہاں اللہ چاہتے ہیں۔ گویا آیات کا آغاز اور اختتام انتہائی خوبصورتی سے ایک لڑی میں پرویا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

سورۃ الملائکۃ (فاطر) میں خاص طور پر مردہ زمین کے زندہ کیے جانے کا ذکر ہے' وہ اس لیے کہ ان آیات سے قبل کہا گیا تھا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے (یعنی پورا ہونے والا ہے)۔'' اور اس سے مراد ہے آخرت میں دوبارہ لوٹایا جانا۔ چنانچہ ان آیات میں جہاں یہ کہا گیا کہ ہم ان بادلوں کو ایک مردہ بستی کی طرف ہنکاتے ہیں اور پھر اس سے مردہ زمین کو دوبارہ زندگی بخشتے ہیں تو آخر میں کہہ دیا: ﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ ''اور ایسے ہی دوبارہ اٹھایا جانا ہوگا۔'' یہ آخری الفاظ صرف اسی جگہ آئے ہیں' کیونکہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا برحق ہونا ذکر کیا گیا تھا۔ دوسری سورتوں میں یہ الفاظ نہیں لائے گئے' کیونکہ وہاں ایسے کسی وعدے کا تذکرہ نہ تھا۔ گو مردہ زمین کے زندہ ہونے کا ذکر ہر جگہ ہے کہ عاقل کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

سورۃ الاعراف میں لفظ ''اَخْرَجْنَا'' پر غور کیجیے۔ پھلوں کے نکالے جانے کے لیے یہ الفاظ لائے گئے ہیں: ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ تو اس کے بالمقابل مردوں کو قبروں سے نکالے جانے کے لیے بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا۔ فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ دوسری آیات میں پھلوں کے لیے یہ لفظ نہیں لایا گیا۔

اب ایک اور مناسبت پر بھی غور کیجیے۔ سورۃ الملائکۃ میں زمین کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیے جانے کا تذکرہ تھا: ﴿فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اور پھر دوبارہ اٹھائے جانے کو (كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ) کہہ کر بیان کیا گیا۔ یہاں اگر كَذٰلِكَ النُّشُوْر کے بجائے ''كَذٰلِكَ الاحياء'' یا ''كَذٰلِكَ احياء الموتى'' کہا جاتا تو نہ صرف کلام میں طوالت ہوتی بلکہ ان آیات کے فواصل (یعنی آخری کلمات) سے بھی موافقت نہ رہتی۔ دیکھیے آیت ۵ میں آیت کا اختتام ہوتا ہے ان کلمات پر: ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝﴾ اور ''كَذٰلِكَ النُّشُوْر'' کے بعد والی آیت ۱۰ کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ پر: ﴿وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝﴾ اور درمیان کی آیات میں سوائے ایک آیت کے اسی وزن پر الفاظ چلے آرہے ہیں۔ اور یہ بھی ملاحظہ ہو کہ لفظ ''النُّشُوْر'' میں دونوں باتیں آجاتی ہیں' مردوں کا زندہ کرنا اور پھر ان کا باہر نکالا جانا' اور پھر لفظ ''النُّشُوْر'' ایک جامع کلمہ ہے' فواصل آیات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے' باقی دوسری سورتوں کی آیات میں اصل مقصود تشبیہہ نہ تھا' اس لیے وہاں صراحتاً مردہ زمین کے زندہ کیے جانے کو قیامت کے دن اٹھائے جانے سے نہیں جوڑا گیا۔

اب آخری بات کی طرف آئیں کہ سورۃ الاعراف کی آیت کے آخر میں ''لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' پر اختتام ہے۔ یعنی کہا گیا کہ شاید تم لوگ نصیحت پکڑو' تو اس کی کیا حکمت ہے؟ جواباً عرض ہے کہ سورۃ الاعراف کی آیت میں

کہا گیا تھا: ﴿فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ''اور پھر ہم نے اس پانی سے ہر طرح کے پھل نکالے۔''

کیا یہاں نصیحت کے متعدد پہلو نہیں ہیں؟ ملاحظہ ہو کہ آسمان سے پانی بالکل ایک جیسا برستا ہے' قلت اور کثرت میں اختلاف ہوسکتا ہے' کتنی دیر پانی برستا رہا' اس میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس پانی کی بدولت جو پھل پیدا ہوتے ہیں وہ ہر لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں' ذائقے میں' رنگ میں' خوشبو میں اور بھی کئی دوسری چیزوں میں' جیسا کہ سورۃ الرعد میں ارشاد فرمایا:

﴿يُسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى بَعۡضٍ فِى الۡاُكُلِ ؕ﴾ (آیت ۴)

''وہ سب ایک جیسے پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں' اور ہم کھانے کے اعتبار سے ان میں سے کچھ (پھلوں) کو دوسروں پر فوقیت دیتے ہیں۔''

تو یہاں جائے عبرت ہے کہ نہیں؟ اللہ کی بے پناہ قدرت کا اظہار ہے کہ نہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہاں مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی سب سے بڑی گواہی ہے یا نہیں! اور اس لحاظ سے آیت کا اختتام ان الفاظ پر بالکل مناسب تھا: ''لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ''

(۱۳۰) آیت ۵۹:

﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۵۹﴾﴾

''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے علاوہ تمہارے لیے اور کوئی معبود نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر ایک بڑے دن کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔''

اور سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اِنِّىۡ لَكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۵﴾ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۶﴾﴾

''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (تو اس نے کہا)' میں تمہارے لیے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' یہ کہ تم نہ عبادت کرو سوائے اللہ کی' میں ڈرتا ہوں کہ تم پر ایک دردناک دن کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔''

اور سورۃ المؤمنون میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾

''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں' کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

ان آیات سے چھ سوال اُبھرتے ہیں:

(۱) سورۃ الاعراف میں ''لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا'' سے پہلے واؤ نہیں ہے جب کہ باقی دونوں سورتوں میں واؤ عطف لایا

گیا ہے۔

(۲) نوح علیہ السلام کے قول میں اختلاف نظر آتا ہے۔

(۳) عبارت کا یہ اختلاف کیا ہر سورت کے ساتھ کوئی اختصاص رکھتا ہے؟

(۴) ہر سہ آیات میں عبادت کا حکم دیا گیا لیکن ان کے ڈرائے جانے کے بارے میں عبارت کا اختلاف ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

(۵) دو سورتوں میں ''یٰقَوْمِ'' کہہ کر خطاب کیا گیا لیکن سورۃ ہود میں ''یٰقَوْمِ'' کے الفاظ نہیں ہیں؟

(۶) دو سورتوں میں سب سے پہلے عبادت کا حکم ہے لیکن سورۃ ہود میں عبادت سے قبل کہا: ''اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ''

اب آیئے ان کے جوابات کی طرف:

(۱) سورۃ الاعراف میں واؤ عطف اس لیے نہیں لایا گیا کہ اس آیت سے قبل کسی متعین رسول کے بھیجے جانے کا ذکر نہیں ہے' نہ ہی خلقِ خدا کو ایمان کی دعوت دی گئی ہے' اس سے قبل صرف اصحاب الاعراف کا ذکر ہے۔ (آیات ۴۶ تا ۵۳)

اس کے بعد زمین اور آسمان کی خِلقت کا ذکر ہے اور پھر ہواؤں' بادلوں' بارش برسانے کا ذکر ہے جو ''لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ'' پر ختم ہوتا ہے (آیات ۵۴ تا ۵۸)

اور پھر رسولوں کے بھیجے جانے کا ذکر شروع ہوتا ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام سے کیا گیا ہے اور پھر ان کے بعد دوسرے رسولوں کا یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا ہے۔ اور جہاں تک سورۃ ہود کا تعلق ہے' تو مذکورہ آیت سے قبل ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر کیا گیا ہے' بلکہ اسی ذکر سے سورت کا آغاز ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۝۲﴾

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مضبوط کی گئیں پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس (اللہ کی طرف سے) جو حکمت والا ہے باخبر ہے' یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

اور پھر انہیں حق کی طرف بلائے جانے کا ذکر ہے' حق سے روگردانی کرنے کے انجام کو بتلایا گیا ہے' پھر انہیں چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ اگر اسے کسی بشر کا کلام سمجھتے ہیں تو قرآن کی سورتوں جیسی دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دیں جو بلاغت اور بہترین نظم وضبط کا شاہکار ہوں جیسے کہ قرآن ہے۔ اور پھر اس مضمون کے بعد نوح علیہ السلام کے بھیجے جانے کا ذکر ہے تو یہاں واو العطف لا کر نوح علیہ السلام کا ذکر کرنا بالکل مناسب تھا۔

اب رہی سورۃ المؤمنون کی آیت تو وہاں بھی اس آیت سے قبل ایک ایسا مضمون تھا جس پر عطف کرنا مناسب تھا' آیت مذکورہ سے پہلے انسان کی خِلقت کا ذکر ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾﴾

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے ایک خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے پانی کی ایک بوند کی شکل میں ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔''

اور اس کے بعد سات آسمانوں کے بنانے کا ذکر کیا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ (آیت ۱۷)

ملاحظہ ہو کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں کا بیان ہو رہا ہے' انسان کا بنایا جانا' دورانِ خلقت اس کا ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا' آسمان سے بارش کا برسانا اور اس سے انواع و اقسام کے پھل پیدا کرنا۔ صحرا کی سواری اونٹ اور سمندر کی سواری کشتی کا بطور نعمت بیان کرنا۔ اور پھر ان تمام نعمتوں کے بیان کے بعد سب سے بڑی نعمت کا بیان' یعنی رسولوں کا بھیجا جانا اور اس کا آغاز نوح علیہ السلام کے ارسال کیے جانے سے کیا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ تو یہاں پر ایک نعمت کے بعد دوسری نعمت کا بیان ہے تو واو العطف کا لانا بالکل مناسب تھا' اور چونکہ سیاق و سباق سارا کا سارا نعمتوں کے بیان سے معمور ہے اس لیے ان آیات میں صراحت کے ساتھ عذاب و عقاب کا ذکر نہیں ہے' اور اگر ہے بھی تو اشارتاً جیسے: ''اَفَلَا تَتَّقُوْنَ'' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟'' یعنی انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تقویٰ کا سامان بہم پہنچاتے رہو کہ جس سے تم اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہو۔

دوسرے سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اللہ کے رسول اپنی قوموں سے بارہا خطاب کرتے رہے' کبھی ایک حال میں' کبھی دوسرے حال میں' کبھی انہیں رغبت دلا رہے ہیں' کبھی اللہ کے عذاب سے ڈرا رہے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ان کا خطاب مختلف ہو سکتا ہے اور یہ قدرتی بات ہے کہ مدعو کی حالت کو دیکھ کر خطاب کیا جائے' اس کی باتوں کا مناسب انداز میں جواب دیا جائے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے' جب عرب کے قبائل مکہ آتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک قبیلے کو الگ الگ خطاب کرتے تھے' انہیں قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے' ان کی حالت کی مناسبت سے اندازِ خطابت میں تبدیلی رونما ہوتی تھی۔ دیکھئے! ایک مرتبہ ایک قبیلہ بنی عبداللہ کے نام سے آیا تو یوں خطاب کیا: اے بنی عبداللہ! اللہ نے تمہارے باپ کا نام کتنا خوبصورت تجویز کیا ہے! (تو تم بھی اللہ کو مانو!) اور یوں ہی ہر قبیلے کو مخاطب کرتے وقت اس کے حالات کا خیال رکھتے۔ ایسے ہی نوح علیہ السلام کے خطابات کو بھی پرکھ لیں' گویا سوال یہ نہیں کہ ان کے خطاب میں اختلاف کیوں واقع ہوا' بلکہ سوال یہ ہونا چاہیے کہ جس سورت میں خطاب کا یہ مختلف انداز اپنایا گیا ہے' ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ اور یہی وہ تیسرا سوال ہے جس کا ہم نے آغاز میں ذکر کر دیا ہے۔

اور اس کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے خطاب ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾﴾ (الاعراف) سے قبل آیت ۸ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ﴾ سے آخرت کے دن کا بیان ہو رہا ہے' کہ اس دن کیا کچھ نہ ہوگا۔ اس دن حساب و کتاب ہوگا' اور صرف حق بات کا وزن ہوگا۔ نافرمان قومیں' جن اور انس سمیت جہنم

میں دھکیل دی جائیں گی۔ کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے کمایا تھا اب اس کا مزا چکھو۔ وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور اپنے کبر کا مظاہرہ کیا تھا‘ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ پھر اصحابِ جنت اور اصحاب النار کا مکالمہ پیش کیا گیا ہے‘ دکھایا گیا ہے کہ جہنمی کیسے پانی کو ترس رہے ہوں گے اور جنتیوں کو پکار رہے ہوں گے کہ ہمیں چند قطرے پانی کے پلا دو! پھر کہا گیا کہ جن باتوں کے بارے میں انہیں دنیا میں بتایا گیا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے رہے تھے‘ تو کیا وہ ان باتوں کے واقع ہونے کا انتظار کر رہے تھے؟ تو پھر وہ دیکھ لیں کہ حشر و نشر‘ حساب و کتاب‘ جنت و جہنم سب ان کے سامنے ہیں۔ اور پھر ان آیات کے بعد نوح علیہ السلام کا انہیں اس دن سے ڈرانا بالکل مناسب تھا‘ اور ان کا یہ کہنا کہ ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ﴾ اور ان کا انکار کرنا‘ تو ان کے اس قول کا تقابل ان کی اس بات سے کیجیے جو وہ آخرت کے دن کہیں گے: ﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ﴾ (آیت ۵۳) ’’اے کاش آج کے دن ہمارے کوئی سفارشی ہوتے جو ہماری سفارش کرتے!‘‘

اب سورۃ ہود میں جس طرح نوح علیہ السلام کا خطاب نقل ہوا ہے‘ اس کی مناسبت بھی ملاحظہ فرمالیں۔ نوح علیہ السلام کا یہ قول: ﴿اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ میں تمہارے لیے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں‘‘ اسی سورت کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل عرب سے خطاب کا عکس ہے: ﴿اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲﴾ ’’میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے ڈرانے والا بھی ہوں اور خوشخبری دینے والا بھی!‘‘ اور ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول سے: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ﴾ (آیت ۱۲) ’’بے شک تم تو صرف ڈرانے والے ہو‘‘ اور نوح علیہ السلام کا یہ کہنا: ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۲۶﴾ ’’میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں‘‘۔ تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوائے گئے اس قول سے مناسبت رکھتا ہے: ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳﴾ ’’اور اگر تم پیچھے ہٹتے رہے تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں‘‘۔ اور ایسے ہی ان باقی دو آیات سے:

﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸﴾

’’اور اگر ہم نے عذاب کو ان سے ایک گنی چنی مدت کے لیے ٹال بھی دیا تو وہ پکار اٹھیں گے: اس عذاب کو کس چیز نے روکے رکھا ہے؟ سن لو! جس دن یہ آئے گا تو پھر ان سے ٹالا نہیں جائے گا۔‘‘

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾ (آیت ۱۷)

’’اور جو بھی تمام گروہوں میں سے ان (کی رسالت) کا انکار کرے گا تو اس کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔‘‘

تو عذاب کی اس تکرار کے مقابلے میں نوح علیہ السلام کا یہ قول لایا جانا بالکل مناسب تھا: ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۲۶﴾۔ سورۃ المؤمنون میں جو طرزِ خطاب اختیار کیا گیا ہے اس کی وضاحت پہلے سوال کے جواب میں ہو چکی ہے۔ اور ایسے ہی چوتھے سوال کا جواب بھی مذکورہ توضیحات میں ہو چکا ہے۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ سوائے سورۂ ہود کے باقی دونوں سورتوں میں ''یٰقَوْمِ'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے تو سورۃ ہود میں ''یٰقَوْمِ'' کیوں نہیں کہا گیا؟ اس کے جواب میں ہم سورۃ ہود کی تمہیدی آیات کی طرف اشارہ کریں گے جہاں نبی اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے: ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾ ''تم نہ عبادت کرو سوائے اللہ کے''۔ یہاں وہ اپنی قوم سے خطاب کر رہے ہیں' لیکن ''یٰقَوْمِ'' کے ندائیہ کلمات سے بات کا آغاز نہیں کیا گیا اور وہ اس لیے کہ سورۃ کے آغاز میں نبی ﷺ کا صراحتاً ذکر نہیں ہے' بلکہ آغاز ہی کتاب کے ذکر سے ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴾

اور اس کے فوراً بعد کہا گیا: ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾ (آیت ۲) ''تم عبادت نہ کرو سوائے اللہ کے۔''

''اَلَّا'' عبارت ہے دو حروف سے: اَنْ + لَا۔ یہاں ''اَنْ'' بمعنی تفسیر القول ہے' یعنی بجائے یہ کہ کہا جاتا: ''قَالَ'' (انہوں نے کہا) صرف ''اَنْ'' لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ انہوں نے پھر یہ کہا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے سورۃ ''صٓ'' کے آغاز میں مکہ کے سرداروں کے تکبر اور حق سے چشم پوشی کا ذکر ہے اور پھر آیت ۶ میں ان سرداروں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ﴾ ''اور ان کے سردار نکلے (یہ کہتے ہوئے) کہ چلو جی' اپنے معبودوں پر جمے رہو''۔ یہاں بھی صرف ''اَنْ'' کہہ کر ''قَالُوْا'' (انہوں نے کہا) کا مفہوم ادا کر دیا گیا۔ چونکہ سورت کا آغاز اس انداز سے ہوا تھا اس لیے ان آیات کے بعد پہلا ذکر نوح علیہ السلام کا ہے تو وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد کے قصص جیسے تذکرۂ ہود' صالح' ابراہیم علیہم السلام تو وہاں پھر اصل کے مطابق ''قَالَ'' کہہ کر دعوت کا آغاز کیا گیا۔

چھٹا سوال یہ تھا کہ سورۃ الاعراف اور سورۃ المؤمنون میں تو دعوت کا آغاز اللہ کی عبادت کے مطالبے سے ہوتا ہے' لیکن سورۃ ہود میں اس مطالبے سے قبل ہی ﴿اِنَّنِيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہا گیا تو ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب انتہائی واضح ہے کہ اصل تو عبادت ہی ہے کہ سب سے پہلے مخلوقاتِ الٰہی سے اسی کا مطالبہ کیا جانا چاہیے۔ لیکن سورۃ ہود میں ﴿اِنَّنِيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ پہلے کہا گیا' کیونکہ اسی سورت کے آغاز میں نبی ﷺ کا ذکر ہے' جہاں ان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہیں: ﴿اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴾ ''میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے نذیر اور بشیر ہوں۔''

(۱۳۱) آیت ۶۰ اور ۶۱:

﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱﴾

''اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ بے شک ہم تجھے کھلی کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! میرے میں گمراہی نہیں ہے لیکن میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔''

اور سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا:

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا.....﴾ (آیت ۲۷)

''اور ان سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے کفر کیا تھا کہا: ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح کے ایک بشر ہو اور تمہاری پیروی نہیں کرتے مگر ہمارے وہ لوگ جو نیچ ترین ہیں.....''

اور سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا:

﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ﴾ (آیت ۲۴)

''اور اس کی قوم میں سے جن سرداروں نے کفر کیا تھا' کہا کہ یہ شخص نہیں ہے مگر تم جیسا ایک بشر جو تم پر فوقیت چاہتا ہے۔''

یہاں تین سوال اُبھرتے نظر آتے ہیں:

(۱) ان تینوں آیات میں قومِ نوحؑ کا جواب دیا گیا ہے جس میں تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے؟

(۲) سورۃ ہود اور سورۃ المومنون میں ''فَقَالَ'' سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے جب کہ سورۃ الاعراف میں صرف ''قَالَ'' کہا گیا؟

(۳) انہی دونوں سورتوں میں سردارانِ قومِ نوحؑ کے بارے میں کفر کا وصف بتایا گیا' کہا: ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ جبکہ سورۃ الاعراف میں ان کے کفر کا تذکرہ نہیں کیا گیا؟

پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ سورۃ الاعراف کی آیت میں سردارانِ قوم نوح علیہ السلام کا ان کے بارے میں کہنا ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰﴾ اور نوح علیہ السلام کا جواباً کہنا ﴿لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ اس سورت میں وارد اسی لفظ کی تکرار کی وجہ سے ہے' یعنی لفظ ''ضَلَال'' اور اس کے مشتقات ملاحظہ ہوں۔ تکذیب کرنے والوں کا یہ قول جو وہ وفات کے وقت کہیں گے:

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ (آیت ۳۷)

''یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے گئے (فرشتے) آئے تاکہ انہیں وفات دیں اور انہوں نے کہا: کہاں گئے وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے تو انہوں نے کہا وہ تو ہم سے غائب ہو گئے۔''

اس کے بعد جہنمیوں کا ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے ایک دوسرے کو کہنا: ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا﴾ (آیت ۳۸) ''اے ہمارے رب! یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا!'' اور پھر قیامت کے دن ان کی کسمپرسی کا حال بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۵۳﴾ ''بے شک ان لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا' اور جو جھوٹ وہ باندھا کرتے تھے سب

کا سب غائب ہو گیا‘‘ تو اس سیاق کے تناظر میں سردارانِ قومِ نوح کے جواب اور پھر نوح علیہ السلام کے جواب الجواب کو دیکھا جا سکتا ہے۔

سورۂ ہود میں سردارانِ قومِ نوحؑ کا جواب ان کے عناد اور کفر کی طرف اشارہ کرتا ہے‘ انہوں نے نوح علیہ السلام کے بارے میں چار باتیں کہیں: (۱) تم ہمارے جیسے بشر ہو‘ (۲) تمہاری پیروی کرنے والے نچلے طبقے کے لوگ ہیں‘ (۳) تم ہم پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے‘ (۴) بلکہ ہمارے نزدیک تم جھوٹے ہو۔

ان باتوں کی مناسبت اسی سورت کے شروع میں وارد معاندین قریش کے اس وصف سے ہے جو سورۃ ہود کی آیت ۵ میں بیان ہوا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ .....﴾

’’ذرا دیکھو! یہ اپنے سینے موڑتے ہیں تاکہ اُس سے چھپ جائیں‘ آگاہ رہو! یہ اس وقت بھی اس کی نظر میں ہوتے ہیں جب وہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں.....‘‘

اور سورۃ المؤمنون میں کُفّارِ قومِ نوح کے نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ دو الزامات بیان ہوئے: (۱) وہ ہماری طرح ایک بشر ہیں‘ اور (۲) وہ ہم پر فوقیت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اب اگر سورۃ المؤمنون کے آغاز میں انسان کی خلقت کے بیان کو ملاحظہ کیا جائے تو انسان کی پیدائش کے یہ مختلف اطوار سامنے آتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝﴾

’’اور ہم نے انسان کو مٹی کے ایک خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر اسے پانی کی ایک بوند کی شکل میں ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔‘‘

حیاتِ انسانی کے ان مختلف ادوار سے گزرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گو انسان کی ابتداء ایک اہانت آمیز مادے سے ہوتی ہے لیکن اگر عنایت ربانی شامل حال ہو تو یہی قطرۂ مہین ایک بیش قیمت گوہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے‘ اور اگر یہ الطافِ ربانیہ شامل حال نہ ہوں تو وہ پھر اسفل سافلین کا نمونہ ہی نظر آتا ہے۔ قومِ نوح نے جب نوح علیہ السلام کی اعلیٰ قدر و منزلت کو نہ پہچانا تو وہ انہیں اپنے جیسے ایک عام آدمی نظر آئے اور اسی لیے وہ ان کے لیے وہ الفاظ کہتے رہے جو پہلے درج کیے جا چکے ہیں۔ اور یوں سورۃ المؤمنون میں وارد الفاظ کی موضوع سے مناسبت عیاں ہو جاتی ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ انہی دونوں سورتوں میں ’’فَقَالَ الْمَلَاُ‘‘ یعنی فاء کے ساتھ ’’قَالَ‘‘ لایا گیا ہے لیکن سورۃ الاعراف میں ’’قَالَ الْمَلَاُ‘‘ بغیر فاء کے ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ فاء کا لایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہاں کسی بات کا جواب دیا جا رہا ہے‘ نہ کہ کلام کی ابتداء کی جا رہی ہے۔ سورۂ ہود میں کلام کی ابتداء نوح علیہ السلام کے دعوتی کلمات سے ہو رہی ہے: ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ اور پھر قومِ نوح کے سرداروں کا جواب ’’فَقَالَ الْمَلَاُ‘‘ سے شروع ہوتا ہے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو۔ اور یہی اسلوب بیان سورۃ المؤمنون میں بھی ہے‘

اس لیے دونوں جگہ فاء جواب کا لانا مناسب تھا۔ اور یہ جواب ایک تفصیلی جواب بھی ہے کہ یہ شخص ہم پر فوقیت چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کر سکتا تھا۔

سورۃ الاعراف میں فاء الجواب کے بغیر کہا گیا: ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ.....﴾ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہاں گو فاء کا صریحاً ذکر نہیں ہے لیکن معنی وہی ہے جو ''فاء'' کے لانے سے مقصود ہے۔ یہ بھی قرآن کا اسلوب ہے جو سورۃ الاعراف کی آیت ۶۶ میں نظر آتا ہے جہاں قومِ عاد کا تذکرہ ہے، وہاں بھی ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ سے قومِ عاد کا جواب شروع ہوتا ہے اور اس کے آغاز میں فاء جواب نہیں ہے۔ گویا قرآن کے اسلوب میں فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں شامل ہیں۔

اب تیسرے سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ سورۃ الاعراف کے علاوہ باقی دونوں سورتوں میں سردارانِ قوم کے ساتھ ان کے کفر کا ذکر ہے ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ لیکن سورۃ الاعراف میں سردارانِ قوم کا بغیر کفر کے ذکر کیا گیا: ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ——— تو اس کے جواب میں کچھ تمہیدی گزارشات پیش خدمت ہیں، اور وہ یہ کہ رسولوں کو اس بات کی دعوت دی گئی کہ وہ اپنی قوموں کو اللہ کی طرف بلائیں لیکن نرمی اور شفقت سے، اور پھر اگر ان کی طرف سے تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کریں۔ ملاحظہ ہو:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ﴾

(النحل:۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھے اندازِ نصیحت کے ساتھ، اور ان سے حجت بازی کرو لیکن بہترین انداز کے ساتھ!''

﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ (المزمل:۱۰) ''اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو۔'' ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲﴾ (الغاشیۃ) ''آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔'' ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ﴾ (الاحزاب:۴۸) ''اور ان کی تکالیف کی پرواہ نہ کرو۔'' ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ﴾ (الشوریٰ:۴۸) ''تم پر نہیں ہے مگر صرف پہنچا دینا۔''

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''اور اگر تم اخلاق کے درشت اور دل کے سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے چھٹ جاتے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہا:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴﴾ (طٰہٰ)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ سرکشی پر اتر آیا ہے۔ تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت پکڑے یا خشیت اختیار کرے۔''

اور پھر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی یہی سنت رہی کہ وہ اپنی اقوام سے خطاب کرتے وقت نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کریں۔ خود اللہ تعالیٰ جب بندوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو کیا پیارا انداز اختیار کرتے ہیں، فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۲﴾ (البقرۃ)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے.....''

نوح علیہ السلام کا خطاب بھی ملاحظہ ہو:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰.....﴾ (نوح: ۱۰ تا ۲۰)

''پھر میں نے کہا کہ اپنے رب کے سامنے استغفار کرو، بے شک وہ مغفرت کرنے والا ہے.....''

اور پھر ان آیات کو آیت ۲۰ تک پڑھتے جایئے کہ کس دردمندی کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ اور پھر ان (انبیاء و رسلؑ) کے خطاب کے جواب میں ہر اُمت کا اپنا اپنا ردعمل آیا' کچھ ایمان لے آئے' کچھ نے ایمان لانے میں دیر کی اور کچھ اپنی گمراہی پر قائم و دائم رہے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ (الانعام: ۳۵) ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔''

اور پھر حالات کے اختلاف سے انبیاء کے طرزِ خطاب میں بھی تبدیلی رونما ہوئی' انہوں نے اپنی طرف سے صبر کا مظاہرہ کیا' اپنے خطاب میں نرمی اور شفقت کا لحاظ رکھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اشارات کا بھی ظہور ہوا کہ تمہاری قوم میں کم ہی لوگ ایمان لائیں گے' جیسے نوح علیہ السلام کو خطاب کر کے بتایا گیا: ﴿لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ (ھود: ۳۶) ''تمہاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔'' نوح علیہ السلام کو پھر ادراک ہو گیا کہ اب اس قوم کی ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہی' اور انہیں اس بات کا بھی احساس ہو گیا کہ ان کے لیے بددعا کی جا سکتی ہے اور اس لیے ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝۲۶﴾ (نوح)

''اے میرے ربّ! اس زمین پر کافروں کا کوئی گھر باقی نہ رکھنا۔''

اور یہ بات اس مرحلے پر ہوئی جب انہوں نے سرکشی کی ساری حدود کو پامال کر دیا:

﴿قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲﴾ (ھود)

''تم نے ہم سے حجت بازی کی ہے اور بہت زیادہ کی ہے' تو پھر اگر تم سچے ہو تو جس چیز کی دھمکی دے رہے ہو اسے لے کیوں نہیں آتے؟''

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف: ۵۵)

''اور جب انہوں نے ہمیں غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔''

اور رسولوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ (یوسف:۱۱۰)

''یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور انہیں گمان ہوا کہ (ان سے جو نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا) وہ پورا نہیں ہوا تو ہماری نصرت پھر آ ہی گئی۔''

اب ان تمہیدی کلمات کے بعد گزارش ہے کہ قومِ نوح کا جواب استہزاء، تکذیب اور گستاخی پر مشتمل تھا۔ سورۂ ہود اور سورۃ المؤمنون کے مقامات اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ انہوں نے کیا کچھ نہیں کہا:

''تم ہمارے جیسے بشر ہو''

''تمہاری پیروی کرنے والے نیچ ذات کے لوگ ہیں''

''تم ہمارے اوپر کوئی فضیلت نہیں رکھتے ہو''

''تم تو سراسر جھوٹے ہو''

سورۃ الشعراء میں ان کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾

''کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی کرنے والے نیچ لوگ ہیں۔''

سورۃ المؤمنون کے بیان کے مطابق تو یہاں تک کہہ دیا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾﴾

''یہ آدمی تو پاگل پن کا شکار ہے تو ایک مدت تک اس کی گھات میں لگے رہو۔''

تو یہ کہنا بالکل مناسب ہوگا کہ ان لوگوں کے کفریہ مقالات کی وجہ سے دونوں سورتوں میں ان کے سرداروں کے لیے کفر کا لفظ استعمال کیا گیا، اور یہ وہ الفاظ ہیں جو ان دونوں سورتوں میں وارد ہوئے:

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾

اب آیئے سورۃ الاعراف کی آیت کی طرف، یہاں باقی دونوں سورتوں کے مقابلے میں ایجاز و اختصار ہے، تطویل اور اطناب نہیں۔ سردارانِ نوحؑ کے جواب میں بھی وہ الفاظ ہیں جو دوسری دونوں سورتوں میں نہیں، کہا: ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾﴾ ''ہم تمہیں کھلی کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔'' لفظ ''ضَلَال'' ہمیشہ دین سے گمراہ ہونے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ ضَلَّ کا اصل مطلب ہے، حیرت زدہ رہ جانا، کسی راستے سے یا دین سے ہٹ جانا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں ضلال حق اور درست راستے سے دور ہو جانے کے لیے استعمال ہوا ہے، کفر کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ ہاں! البتہ اگر قرینہ ہو تو بعض دفعہ کفر سے بڑھ کر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

اب چونکہ سورۃ الاعراف کا بیان مختصر تھا اس لیے صرف ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ﴾ پر اکتفا کیا گیا۔ اس کا مقابلہ قومِ ہود کے جواب سے کر لیں جہاں انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ﴾ (الاعراف:۶۶) ''ہم تمہیں نادانی میں پڑا دیکھتے ہیں۔'' یعنی کم عقل ہو، بردباری سے عاری ہو (بقول الغزنوی) یا بردباری سے عاری ہو، عقل کے خفیف ہو۔ اس لیے ان کے ان اقوال کے مقابلے میں کہا گیا:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ﴾ جیسا انہوں نے کہا ویسا انہیں سنایا گیا۔ اور ایسے ہی قومِ صالح کا جواب بھی ملاحظہ ہو:

﴿اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ﴾ (الاعراف:۷۵)

''کیا تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ صالح اس کے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟''

اور چونکہ ان کا یہ جواب قومِ ہود کے جواب کی طرح سخت نہ تھا اس لیے سردارانِ قومِ صالح کے بارے میں کہا گیا:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ﴾ (آیت ۷۵)

''ان سرداروں نے کہا کہ جنہوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا تھا۔''

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں استکبار کفر کے معنی میں نہیں ہے؟ تو ہم کہیں گے یہ ''استضعاف'' کے مقابلے میں ہے کہ انہوں نے ایمان لانے والوں کو ضعیف اور لاچار قرار دیا تھا۔ یوں ہر لفظ اپنی اپنی جگہ مناسب ہے' واللہ اعلم!

❁❁❁

بقیہ: تعارف وتبصرہ

(۲)

نام کتاب : پُرسکون زندگی بذریعہ مسنون وظائف

مولف : احمد علی محمودی

ضخامت: 57 صفحات قیمت: 50 روپے

ملنے کا پتہ : ندائے ملّت پبلی کیشنز' دارالسلام' عزیز آباد کالونی' وہاڑی روڈ حاصل پور ضلع بہاولپور

احمد علی محمودی عالمِ دین' خطیب اور ادیب ہیں۔ ذکر واذکار کے ساتھ ان کی گہری وابستگی ہے۔ مسنون وظائف کو نہ صرف روزمرّہ کی زندگی میں ضروری سمجھتے ہیں بلکہ پیش آمدہ پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے ان کی تاثیر کے قائل ہیں۔ مصنف خود روحانی معالج ہیں۔

کتابچے کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں لوگوں کے پوچھے گئے مسائل اور ان کے حل لکھے ہیں جو عام طور پر قرآنی دعاؤں اور مسنون وظائف پر مشتمل ہیں۔ سوال عموماً خانگی معاملات' رزق کی تنگی' بے اولادی یا نافرمان اولاد' پریشانیوں اور دشواریوں کے متعلق ہوتے ہیں۔ دوسرے حصے میں کچھ آزمودہ روحانی وظائف دیے گئے ہیں جو گھر میں خیر و برکت کے لیے بیماری میں شفا اور بدخواہوں سے بچنے کے لیے ہیں۔ مصنف باوضو رہنے کی تلقین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس طرح ذکر واذکار اور وظائف کی تاثیر سے مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے۔

اخیر میں چھ خصوصی اذکار دیے گئے ہیں جن سے دنیاوی رکاوٹیں اور الجھنیں دور ہوتی ہیں' رزق میں فراخی اور نیک مقاصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ زیرتبصرہ کتابچے کے علاوہ مصنف کے چند دوسرے کتابچے بھی ہیں جو دانائی اور حکمت کی باتوں سے مملو ہیں۔ ✿✿✿

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی ونحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمن خان

سورۃ التوبۃ

آیات ۱۰۰ تا ۱۰۶

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۡ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾﴾

ترکیب

(آیت ۱۰۰) وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کو مرکب توصیفی اور مبتدا اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کو اس کی خبر مان کر ہم ترجمہ کریں گے۔ اگر السَّابِقُوْنَ کو مبتدا اور اَلْاَوَّلُوْنَ کو اس کی خبر معرفہ مان کر ترجمہ کیا جائے تو وہ بھی درست ہوگا۔ (آیت ۱۰۳) صَدَقَةً نکرہ موصوفہ ہے اور تُطَهِّرُ واحد مؤنث کے صیغہ میں اس کی صفت ہے۔ یہاں پر

تُطَهِّرُ کو واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ماننے کی گنجائش نہیں ہے' کیونکہ ایسی صورت میں یہ فعل امر خُذْ کا جوابِ امر ہونے کی وجہ سے مجزوم یعنی تُطَهِّرْ ہوتا۔ آگے تُزَكِّيْ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے۔

ترجمہ:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ : اور پہلے سبقت کرنے والے	مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ : مہاجروں میں سے
وَالْاَنْصَارِ : اور انصار میں سے	وَالَّذِيْنَ : اور جنہوں نے
اتَّبَعُوْهُمْ : پیروی کی ان کی	بِاِحْسَانٍ : بلاکم وکاست
رَّضِيَ اللّٰهُ : راضی ہوا اللہ	عَنْهُمْ : ان سے
وَرَضُوْا عَنْهُ : اور وہ راضی ہوئے اس سے	وَاَعَدَّ لَهُمْ : اور اس نے تیار کیے ان کے لیے
جَنّٰتٍ : ایسے باغات	تَجْرِيْ : بہتی ہیں
تَحْتَهَا : جن کے نیچے	الْاَنْهٰرُ : نہریں
خٰلِدِيْنَ : ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے	فِيْهَآ : ان میں
اَبَدًا : ہمیشہ ہمیش	ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : یہی عظیم کامیابی ہے
وَمِمَّنْ : اور ان میں سے	حَوْلَكُمْ : تمہارے اردگرد
مِّنَ الْاَعْرَابِ : دیہاتیوں میں سے	مُنٰفِقُوْنَ : (وہ) منافق ہیں
وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ : اور مدینہ والوں میں سے	مَرَدُوْا : جو اڑے رہے
عَلَى النِّفَاقِ : نفاق پر	لَا تَعْلَمُهُمْ : آپؐ نہیں جانتے ان کو
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ : ہم جانتے ہیں ان کو	سَنُعَذِّبُهُمْ : ہم عذاب دیں گے ان کو
مَّرَّتَيْنِ : دو مرتبہ	ثُمَّ يُرَدُّوْنَ : پھر وہ لوٹائے جائیں گے
اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ : ایک عظیم عذاب کی طرف	وَاٰخَرُوْنَ : اور کچھ دوسرے ہیں
اعْتَرَفُوْا : جنہوں نے اعتراف کیا	بِذُنُوْبِهِمْ : اپنے گناہوں کا
خَلَطُوْا : انہوں نے گڈمڈ کیا	عَمَلًا صَالِحًا : نیک عمل کو
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا : اور دوسرے برے کو	عَسَى اللّٰهُ : قریب ہے اللہ
اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ : کہ وہ توبہ قبول کرے ان کی	اِنَّ اللّٰهَ : یقیناً اللہ
غَفُوْرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے	رَّحِيْمٌ : ہمیشہ رحم کرنے والا ہے
خُذْ : آپؐ پکڑیں (یعنی قبول کریں)	مِنْ اَمْوَالِهِمْ : ان کے مالوں سے
صَدَقَةً : وہ صدقہ	تُطَهِّرُهُمْ : جو پاک کرتا ہے ان کو

وَتُزَكِّيهِمْ : اور آپؐ تزکیہ کرتے ہیں ان کا	بِهَا : جس سے
وَصَلِّ : اور آپؐ دُعا دیں	عَلَيْهِمْ : ان کو
اِنَّ صَلٰوتَكَ : بے شک آپؐ کی دُعا	سَكَنٌ لَّهُمْ : تسکین ہے ان کے لیے
وَاللّٰهُ : اور اللہ	سَمِيْعٌ : سننے والا ہے
عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے	اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا : کیا انہوں نے نہیں جانا
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ	هُوَ يَقْبَلُ : وہ ہی قبول کرتا ہے
التَّوْبَةَ : توبہ	عَنْ عِبَادِهٖ : اپنے بندوں سے
وَيَاْخُذُ : اور وہ پکڑتا ہے (قبول کرتا ہے)	الصَّدَقٰتِ : صدقات
وَاَنَّ اللّٰهَ : اور یہ کہ اللہ	هُوَ التَّوَّابُ : ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے
الرَّحِيْمُ : ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	وَقُلِ : اور آپؐ کہہ دیجیے
اعْمَلُوْا : تم عمل کرو	فَسَيَرَى اللّٰهُ : پھر دیکھے گا اللہ
عَمَلَكُمْ : تمہارے عمل کو	وَرَسُوْلُهٗ : اور اس کا رسول
وَالْمُؤْمِنُوْنَ : اور مؤمن لوگ (بھی)	وَسَتُرَدُّوْنَ : اور تم لوٹائے جاؤ گے
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ : موجود اور غائب کے عالم کی طرف	فَيُنَبِّئُكُمْ : پھر وہ جتا دے گا تم لوگوں کو
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ : وہ جو تم لوگ کرتے تھے	وَاٰخَرُوْنَ : اور کچھ دوسرے
مُرْجَوْنَ : ملتوی کیے ہوئے ہیں	لِاَمْرِ اللّٰهِ : اللہ کے حکم کے لیے
اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ : یا وہ عذاب دے گا ان کو	وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ : اور یا وہ توبہ قبول کرے گا ان کی
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ : اور اللہ جاننے والا ہے	حَكِيْمٌ : حکمت والا ہے

نوٹ ۱ : آیت ۱۰۱ میں ہے کہ ایسے منافق جو نفاق میں بہت آگے جا چکے ہیں‘ انہیں عذابِ عظیم یعنی دوزخ کے عذاب سے پہلے دو مرتبہ عذاب دیا جائے گا۔ اس میں ایک دنیا کی زندگی کا عذاب ہے اور دوسرا قبر کا عذاب ہے۔ دنیا کے عذاب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں‘ لیکن ایک صورت ایسی ہے جس میں تقریباً ہر منافق گرفتار ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کے جن مفادات کے تحفظ کی خاطر وہ ’’باغباں بھی خوش رہے‘ راضی رہے صیاد بھی!‘‘ کی روش اختیار کرتا ہے‘ انہیں وہ محفوظ پھر بھی نہیں سمجھتا اور ہر وقت اسے کسی نہ کسی نقصان کا دھڑکا لگا رہتا ہے (اس کی مزید وضاحت کے لیے التوبۃ: ۵۵ کا نوٹ ۱ پھر سے پڑھ لیں)۔ یہ سوہانِ روح مستقل اس کی جان کو لاگو رہتا ہے‘ جس کی وجہ سے وہ جھنجھلاہٹ‘ غصہ‘ اعصابی تناؤ‘ بے خوابی وغیرہ میں وقفہ وقفہ سے مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہی چیزیں اسے مختلف بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہیں‘ جن کی فہرست کافی طویل ہے۔ اس طرح اس کی زندگی ایک مسلسل

عذاب ہی ہوتی ہے۔

اس دُنیوی عذاب سے نجات کی ایک ہی صورت ہے‘ وہ یہ کہ انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ کسی معاملہ میں کوشش کرنے یا نہ کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے‘ لیکن کسی کوشش کے نتیجہ پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہر کوشش کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے۔ اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر وہ کسی کوشش کا وہ نتیجہ عطا کرتا ہے جو over all تناظر میں بندے کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ یہ ہماری اپنی کوتاہ بینی اور کم فہمی ہے کہ کسی نتیجہ کو ہم برا سمجھتے ہیں۔ اس حقیقت پر جب دل ٹھک جائے تو پھر کسی کوشش کا جو بھی نتیجہ نکلے‘ کامیابی ہو یا ناکامی‘ فائدہ ہو یا نقصان‘ ہر حال میں راضی برضا رہنے کا خود کو خوگر بنا لے‘ تو مذکورہ دنیوی عذاب سے نجات پا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس سے نجات کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

آیات ۱۰۷ تا ۱۱۰

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱۰﴾

ء س س

اَسَّ يَؤُسُّ (ن) اَسًّا : کسی عمارت کی بنیاد رکھنا۔

اَسَّسَ (تفعیل) تَاْسِيْسًا : بنیاد رکھنا۔ اس میں مبالغہ کا مفہوم ہے‘ یعنی بنیاد بھرنا۔ زیر مطالعہ آیت ۱۰۸۔۱۰۹۔

ج ر ف

جَرَفَ يَجْرُفُ (ن) جَرْفًا : مٹی کھودنا‘ مٹی کھرچنا۔

جُرُفٌ : دریا کا ایسا کنارہ جس کے نیچے کی مٹی پانی بہا لے گیا ہو‘ چھجہ (cliff)۔ زیر مطالعہ آیت ۱۰۹۔

ھ و ر

هَارَ يَهُوْرُ (ن) هَوْرًا : عمارت کا گرنا۔

هَارٍ (اسم الفاعل) : قاعدہ کے مطابق اس کا اسم الفاعل هَائِرٌ بنتا ہے اور استعمال بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ هَارٍ بھی استعمال ہوتا ہے۔ گرنے والا۔ زیر مطالعہ آیت ۱۰۹۔

اِنْهَارَ (انفعال) اِنْهِيَارًا : گر پڑنا۔ زیر مطالعہ آیت ۱۰۹۔

ترکیب

(آیت ۱۰۷) اِتَّخَذُوْا کا مفعول اول مَسْجِدًا ہے' جبکہ ضِرَارًا، کُفْرًا، تَفْرِیْقًا اور اِرْصَادًا مفعول ثانی ہیں۔ ان میں ضِرَارًا باب مفاعلہ کا' کُفْرًا ثلاثی مجرد کا' تَفْرِیْقًا باب تفعیل کا اور اِرْصَادًا باب افعال کا مصدر ہے۔ (آیت ۱۰۹) شَفَا مضاف ہے' جُرُفٍ اس کا مضاف الیہ ہے' جبکہ هَارٍ صفت ہے جُرُفٍ کی۔ (آیت ۱۱۰) لَا یَزَالُ فعل ناقص ہے' بُنْیَانُهُمْ اس کا اسم ہے اور رِیْبَةً اس کی ضمیر ہے۔

ترجمہ:

وَالَّذِیْنَ: اور وہ لوگ جنہوں نے	اتَّخَذُوْا: بنائی
مَسْجِدًا: ایک مسجد	ضِرَارًا: نقصان پہنچانے والی
وَّ کُفْرًا: اور کفر کرنے والی	وَّتَفْرِیْقًا: اور پھوٹ ڈالنے کو
بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ: ایمان والوں کے مابین	وَاِرْصَادًا: اور نگران مقرر کرنے کو
لِّمَنْ: اس کے لیے (یعنی اس کی طرف سے) جس نے	حَارَبَ اللّٰهَ: لڑائی کی اللہ سے
وَرَسُوْلَهٗ: اور اس کے رسول سے	مِنْ قَبْلُ: اس سے پہلے
وَلَیَحْلِفُنَّ: اور وہ لازماً قسم کھائیں گے	اِنْ اَرَدْنَآ: (کہ) نہیں ارادہ کیا ہم نے
اِلَّا الْحُسْنٰی: مگر بھلائی کا	وَاللّٰهُ یَشْهَدُ: اور اللہ گواہی دیتا ہے
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں	لَا تَقُمْ: آپؐ مت کھڑے ہوں
فِیْهِ: اس میں	اَبَدًا: کبھی بھی
لَمَسْجِدٌ: بے شک ایسی مسجد	اُسِّسَ: بنیاد بھری گئی جس کی
عَلَی التَّقْوٰی: تقویٰ پر (یعنی تقویٰ سے)	مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ: پہلے دن سے
اَحَقُّ: زیادہ حق دار ہے	اَنْ تَقُوْمَ: کہ آپؐ کھڑے ہوں
فِیْهِ: اس میں	فِیْهِ رِجَالٌ: اس میں ایسے مرد ہیں
یُّحِبُّوْنَ: جو پسند کرتے ہیں	اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا: کہ وہ خوب پاک رہیں
وَاللّٰهُ: اور اللہ	یُحِبُّ: پسند کرتا ہے
الْمُطَّهِّرِیْنَ: خوب پاک رہنے والوں کو	اَفَمَنْ: تو کیا وہ
اَسَّسَ: جس نے بنیاد بھری	بُنْیَانَهٗ: اپنی عمارت کی
عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ: اللہ کے تقویٰ پر	وَرِضْوَانٍ: اور رضامندی پر
خَیْرٌ: بہتر ہے	اَمْ مَّنْ: یا وہ

اَسَّسَ: جس نے بنیاد بھری	بُنْیَانَہٗ: اپنی عمارت کی
عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ: گرنے والے چھجے کے کنارے پر	فَانْهَارَ بِهٖ: تو وہ گر پڑا اس (عمارت) کے ساتھ
فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ: دوزخ کی آگ میں	وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی: اور اللہ ہدایت نہیں دیتا
الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ: ظالم لوگوں کو	لَا یَزَالُ: ہمیشہ رہے گا
بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ: ان کی عمارت سے جو	بَنَوْا: انہوں نے بنائی
رِیْبَةً: ایک شک	فِیْ قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں میں
اِلَّا اَنْ: سوائے اس کے کہ	تَقَطَّعَ: ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں
قُلُوْبُهُمْ: ان کے دل	وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلِیْمٌ: جاننے والا ہے	حَكِیْمٌ: حکمت والا ہے

نوٹ: مدینہ کا ایک شخص ابو عامر زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گیا تھا اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس نے آپؐ کی مخالفت کی اور غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شرکت کی۔ اس کے بعد یہ شام کی طرف چلا گیا اور قیصرِ روم کو آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مدینہ پر فوج کشی کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے منافقین کو ہدایت کی کہ تم لوگ اپنی طاقت کو مجتمع کرنے کے لیے ایک مسجد بناؤ، اس میں اپنے لوگوں کو جمع کرو اور ممکنہ حد تک اسلحہ بھی جمع کرو تا کہ وقت پر قیصر روم کی مدد کر سکو۔ چنانچہ منافقین نے قبا کے مقام پر ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپؐ اس میں ایک نماز پڑھ لیں تا کہ برکت ہو جائے۔ آپؐ اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، اس لیے آپ ﷺ نے واپسی کے بعد اس میں نماز پڑھنے کی حامی بھر لی۔ لیکن واپسی کے وقت آپ ﷺ مدینہ کے قریب ایک مقام پر فروکش تھے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو گرا دو اور اس میں آگ لگا دو۔ مسجد قبا سے کچھ فاصلے پر یہ جگہ آج تک ویران پڑی ہے۔ (معارف القرآن)

آیات ۱۱۱ تا ۱۱۸

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ

كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ
اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ
تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ
حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ
عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ
اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

ء و ھ

آہَ یَئُوْہُ (ن) اَوْھًا : دوسروں کی تکلیف کا احساس کرنا‘ دردمند ہونا‘ آہ بھرنا۔

اَوَّاہٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : بہت دردمند۔ زیر مطالعہ آیت ۱۱۴۔

ترکیب

(آیت ۱۱۱) وَعْدًا حَقًّا مرکب توصیفی ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ عَلَیْہِ کی ضمیر اللہ کے لیے ہے۔ اَوْفٰی فعل ماضی بھی ہوسکتا تھا لیکن آگے مِنَ اللّٰہِ سے معلوم ہوا کہ یہ فعل ماضی نہیں بلکہ افعل تفضیل ہے۔

(آیت ۱۱۸) وَعَلَی الثَّلٰثَۃِ گزشتہ آیت میں لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ پر عطف ہے۔

ترجمہ:

اِنَّ اللّٰہَ : بے شک اللہ نے
اشْتَرٰی : خرید لیا
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ : مؤمنوں سے
اَنْفُسَھُمْ : ان کی جانوں کو
وَاَمْوَالَھُمْ : اور ان کے مالوں کو
بِاَنَّ : اس کے عوض کہ
لَھُمُ الْجَنَّۃَ : ان کے لیے جنت ہے
یُقَاتِلُوْنَ : وہ جنگ کرتے ہیں
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ میں
فَیَقْتُلُوْنَ : تو وہ قتل کرتے ہیں
وَیُقْتَلُوْنَ : اور وہ قتل کیے جاتے ہیں
وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا : پکا وعدہ ہے اس پر (یعنی اللہ پر)
فِی التَّوْرٰىۃِ : تورات میں
وَالْاِنْجِیْلِ : اور انجیل میں
وَالْقُرْاٰنِ : اور قرآن میں
وَمَنْ : اور کون ہے
اَوْفٰی : زیادہ وفا کرنے والا
بِعَھْدِہٖ : اپنے وعدہ کو

مِنَ اللّٰہِ: اللہ سے
بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ: اپنے اس سودے کی جس کا
وَذٰلِکَ: اور یہ
اَلتَّآئِبُوۡنَ: توبہ کرنے والے
الۡحٰمِدُوۡنَ: حمد کرنے والے
الرّٰکِعُوۡنَ: رکوع کرنے والے
الۡاٰمِرُوۡنَ: ترغیب دینے والے
وَالنَّاہُوۡنَ: اور منع کرنے والے
وَالۡحٰفِظُوۡنَ: اور حفاظت کرنے والے
وَبَشِّرِ: اور آپؐ بشارت دیجیے
مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ: نہیں ہے ان نبیؐ کے لیے

اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا: کہ وہ استغفار کریں
وَلَوۡ کَانُوۡۤا: اور اگرچہ وہ تھے
مِنۡۢ بَعۡدِ مَا: اس کے بعد کہ جو
اَنَّہُمۡ: کہ وہ لوگ
وَمَا کَانَ: اور نہیں تھا
لِاَبِیۡہِ: اپنے والد کے لیے

وَّعَدَہَاۤ: انہوںؑ نے وعدہ کیا جس کا
فَلَمَّا: پھر جب
اَنَّہٗ عَدُوٌّ: کہ وہ دشمن ہے
تَبَرَّاَ: تو انہوںؑ نے بیزاری کا اظہار کیا
اِنَّ اِبۡرٰہِیۡمَ: بے شک ابراہیمؑ
وَمَا کَانَ اللّٰہُ: اور نہیں ہے اللہ
قَوۡمًا: کسی قوم کو
ھَدٰىہُمۡ: اس نے ہدایت دی ان کو

فَاسۡتَبۡشِرُوۡا: پس تم لوگ خوشی مناؤ
بَایَعۡتُمۡ بِہٖ: تم نے معاہدہ کیا اس سے
ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ: ہی عظیم کامیابی ہے
الۡعٰبِدُوۡنَ: بندگی کرنے والے
السَّآئِحُوۡنَ: روزہ رکھنے والے
السّٰجِدُوۡنَ: سجدہ کرنے والے
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: بھلائی کی
عَنِ الۡمُنۡکَرِ: برائی سے
لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ: اللہ کی حدود کی
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: ایمان والوں کو
وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا: اور ان کے لیے جو ایمان لائے
لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ: مشرکوں کے لیے
اُولِیۡ قُرۡبٰی: قرابت والے
تَبَیَّنَ لَہُمۡ: واضح ہوا ان پر
اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ: دوزخ والے ہیں
اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰہِیۡمَ: ابراہیمؑ کا استغفار
اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَۃٍ: مگر ایک وعدے کے وقت سے
اِیَّاہُ: اُس سے
تَبَیَّنَ لَہٗ: واضح ہوا انؑ پر
لِلّٰہِ: اللہ کا
مِنۡہُ: اس سے
لَاَوَّاہٌ حَلِیۡمٌ: یقیناً بہت دردمند، بردبار تھے
لِیُضِلَّ: کہ وہ گمراہ کرے
بَعۡدَ اِذۡ: اس کے بعد کہ جب
حَتّٰی: یہاں تک کہ

يُبَيِّنَ لَهُمْ : وہ واضح کردے ان کے لیے

مَّا يَتَّقُوْنَ : اس کو جس سے وہ بچتے رہیں

اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز کو

عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے

اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ

لَهٗ : اُسی کے لیے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : آسمانوں اور زمین کی بادشاہت

يُحْيٖ : وہ زندگی دیتا ہے

وَيُمِيْتُ : اور وہ موت دیتا ہے

وَمَا لَكُمْ : اور نہیں ہے تمہارے لیے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ : اللہ کے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ : کوئی بھی کارساز

وَّلَا نَصِيْرٍ : اور نہ ہی کوئی مددگار

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ : بے شک متوجہ ہوا ہے اللہ

عَلَى النَّبِيِّ : ان نبی ؐ پر

وَالْمُهٰجِرِيْنَ : اور مہاجروں پر

وَالْاَنْصَارِ : اور انصار پر

الَّذِيْنَ : جنہوں نے

اتَّبَعُوْهُ : پیروی کی ان ؐ کی

فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ : مشکل گھڑی میں

مِنْۢ بَعْدِ مَا : اس کے بعد کہ جو

كَادَ يَزِيْغُ : قریب تھا کہ بہک جائیں

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ : ایک فریق کے دل

مِّنْهُمْ : ان میں سے

ثُمَّ تَابَ : پھر اس نے توجہ فرمائی

عَلَيْهِمْ : ان پر

اِنَّهٗ بِهِمْ : بے شک وہ ان پر

رَءُوْفٌ : بے انتہا شفقت کرنے والا ہے

رَّحِيْمٌ : رحم کرنے والا ہے

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ : اور ان تین پر (بھی) جن کو

خُلِّفُوْا : پیچھے کیا گیا (فیصلے کے لیے)

حَتّٰٓى اِذَا : یہاں تک کہ جب

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ : تنگ ہوئی ان پر

الْاَرْضُ : زمین

بِمَا رَحُبَتْ : ساتھ اس کے جو وہ کشادہ تھی

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ : اور تنگ ہوئیں ان پر

اَنْفُسُهُمْ : ان کی جانیں

وَظَنُّوْٓا : اور انہوں نے خیال کیا

اَنْ لَّا مَلْجَاَ : کہ کوئی بھی پناہ گاہ نہیں ہے

مِنَ اللّٰهِ : اللہ سے (بچنے کی)

اِلَّآ اِلَيْهِ : مگر اس کی طرف ہی

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ : پھر اس نے توجہ فرمائی ان پر

لِيَتُوْبُوْا : تاکہ وہ توبہ کریں

اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ

هُوَ التَّوَّابُ : ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے

الرَّحِيْمُ : ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

نوٹ ۱ : آیت ۱۱۵ میں ایک قاعدہ کلیہ بیان ہوا ہے جس سے قرآن مجید کے وہ تمام مقامات اچھی طرح سمجھے

جاسکتے ہیں جہاں ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل بتایا ہے۔ اللہ کا ہدایت دینا یہ ہے کہ وہ صحیح فکر و عمل کو اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے لوگوں کے سامنے واضح طور پر پیش کر دیتا ہے۔ پھر جو لوگ اس طریقے پر خود چلنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں انہیں اس کی توفیق بخشتا ہے۔ اور اللہ کا گمراہی میں ڈالنا یہ ہے کہ جو صحیح فکر و عمل اس نے بتایا ہے' اگر کوئی اس کے خلاف چلنے پر اصرار کرے اور سیدھا نہ چلنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو زبردستی راہِ راست پر نہیں لاتا' بلکہ جدھر وہ خود جانا چاہتا ہے' اسی طرف اس کو جانے کی توفیق دے دیتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: غزوۂ تبوک کے لیے تمام مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس وقت مدینہ کے لوگوں کے مختلف گروہ ہو گئے تھے۔ ایک منافق' جن کا ذکر گزشتہ آیات میں آ چکا ہے۔ مؤمنین کے گروہوں کا ذکر آیت ۱۱۷' ۱۱۸ میں آیا ہے۔ مؤمنوں کا ایک گروہ حکم پاتے ہی فوراً جہاد کے لیے تیار ہو گیا۔ ان کا ذکر آیت ۱۱۷ میں ﴿اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ میں ہے۔ دوسرا گروہ ابتداءً تردّد میں رہا لیکن پھر سنبھل گیا اور سب کے ساتھ جہاد پر روانہ ہوا۔ ان کے لیے فرمایا گیا: ﴿كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ﴾۔ مؤمنین کا تیسرا گروہ' وہ تھا جو جہاد پر نہیں گیا' بعد میں بہانے نہیں تراشے' بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ یہ کُل دس صحابہؓ تھے۔ ان میں سے سات نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا تب وہ کھلیں گے۔ ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر آیت ۱۰۲ میں گزر چکا ہے۔ باقی تین نے یہ عمل نہیں کیا۔ ان کے معاشرتی بائیکاٹ کا حکم ہوا تھا۔ ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر آیت ۱۱۸ میں ہے۔

آیات ۱۱۹ تا ۱۲۲

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾

ظمء

ظَمِئَ يَظْمَؤُ (س) ظَمْئًا: پیاسا ہونا۔ ﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾﴾ (طٰہٰ) ''اور یہ کہ تو پیاسا نہیں ہوگا اس میں اور نہ تجھے دھوپ لگے گی۔''

ظَمْأٌ (اسم ذات بھی ہے): پیاس۔ زیر مطالعہ آیت ۱۲۰۔

ظَمْاٰنُ (فَعْلَانُ کے وزن پر صفت): انتہائی پیاسا۔ ﴿یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ﴾ (النور: ۳۹) ''سمجھے گا پیاسا اس کو پانی۔''

ترجمہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ: اے لوگو جو	اٰمَنُوْا: ایمان لائے ہو
اتَّقُوا اللّٰهَ: تقویٰ کرو اللہ سے	وَ کُوْنُوْا: اور ہو جاؤ
مَعَ الصّٰدِقِیْنَ: سچ کہنے والوں کے ساتھ	مَا کَانَ: نہیں (مناسب) تھا
لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ: مدینہ والوں کے لیے	وَمَنْ حَوْلَهُمْ: اور ان کے لیے جو ان کے اردگرد ہیں
مِّنَ الْاَعْرَابِ: دیہاتیوں میں سے	اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا: کہ وہ پیچھے رہیں
عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ: اللہ کے رسول سے	وَلَا یَرْغَبُوْا: اور یہ کہ نہ چاہیں
بِاَنْفُسِهِمْ: اپنی جانوں کو	عَنْ نَّفْسِهٖ: انؐ کی جان سے (زیادہ)
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ: یہ اس سبب سے کہ	لَا یُصِیْبُهُمْ: نہیں پہنچتی ان (یعنی مجاہدین) کو
ظَمَاٌ: کوئی پیاس	وَّلَا نَصَبٌ: اور نہ کوئی مشقت
وَّلَا مَخْمَصَةٌ: اور نہ کوئی شدید بھوک کا وقت	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ میں
وَلَا یَطَئُوْنَ: اور وہ پاؤں سے نہیں روندتے	مَوْطِئًا: کسی ایسی روندنے کی جگہ کو جو
یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ: سخت غصہ دلائے کافروں کو	وَلَا یَنَالُوْنَ: اور وہ حاصل نہیں کرتے
مِنْ عَدُوٍّ: کسی دشمن سے	نَّیْلًا: کوئی مطلوبہ چیز
اِلَّا کُتِبَ: مگر (یہ کہ) لکھا گیا	لَهُمْ بِهٖ: ان کے لیے اس کے سبب سے
عَمَلٌ صَالِحٌ: ایک نیک عمل	اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
لَا یُضِیْعُ: ضائع نہیں کرتا	اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ: بلاکم و کاست کام کرنے والوں کے اجر کو
وَلَا یُنْفِقُوْنَ: اور وہ خرچ نہیں کرتے	نَفَقَةً صَغِیْرَةً: کوئی چھوٹا خرچہ
وَّلَا کَبِیْرَةً: اور نہ ہی کوئی بڑا (خرچہ)	وَّلَا یَقْطَعُوْنَ: اور وہ نہیں کاٹتے (یعنی طے کرتے)
وَادِیًا: کسی وادی کو	اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ: مگر (یہ کہ) لکھا گیا ان کے لیے
لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ: تاکہ جزا دے ان کو اللہ	اَحْسَنَ مَا: اس کی بہترین جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: وہ عمل کرتے تھے	وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ: اور نہیں ہیں مؤمن لوگ
لِيَنْفِرُوْا: کہ وہ نکلیں	كَآفَّةً: سب کے سب
فَلَوْلَا نَفَرَ: تو کیوں نہیں نکلا	مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ: ہر ایک فرقہ سے
مِّنْهُمْ: ان میں سے	طَآئِفَةٌ: ایک گروہ
لِّيَتَفَقَّهُوْا: تاکہ وہ سوجھ بوجھ حاصل کریں	فِي الدِّيْنِ: دین میں
وَلِيُنْذِرُوْا: اور تاکہ وہ خبردار کریں	قَوْمَهُمْ: اپنی قوم کو
اِذَا رَجَعُوْٓا: جب وہ لوٹیں	اِلَيْهِمْ: ان کی طرف
لَعَلَّهُمْ: شاید وہ لوگ	يَحْذَرُوْنَ: بچتے رہیں

نوٹ ۱: گزشتہ آیات میں مسلسل غزوۂ تبوک کا ذکر چلا آ رہا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نفیر عام کا اعلان کیا تھا کہ ہر شخص اس میں شریک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں شرکت نہ کرنے والوں سے باز پرس ہوئی۔ منافقوں کے جھوٹے عذر قبول کیے گئے اور مؤمنوں کی توبہ قبول کی گئی۔ ان سب واقعات سے تاثر یہ ملتا ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کی ہر مہم میں شریک ہونا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے اور شرکت نہ کرنا حرام ہے۔ حالانکہ شرعی حکم یہ نہیں ہے' بلکہ عام حالات میں قتال میں شرکت فرض کفایہ ہے' اِلّا یہ کہ مسلمانوں کا امیر نفیر عام کا حکم دے۔ اسی بات کی وضاحت کے لیے آیت ۱۲۲ میں ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی مہم پر سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔

اس حوالہ سے فرض کفایہ کی حقیقت سمجھ لیں۔ جو فرائض شخصی نہیں بلکہ اجتماعی ہیں' انہیں شریعت نے فرضِ کفایہ قرار دیا ہے' تاکہ تقسیم کار کے اصول پر مختلف جماعتیں فرائض ادا کرتی رہیں اور تمام اجتماعی فرائض ادا ہوتے رہیں۔ مثلاً میت کی نماز جنازہ اور اس کی تکفین' مساجد کی تعمیر و نگرانی' سرحدوں کی حفاظت' قتال یعنی جنگ وغیرہ' یہ سب فرضِ کفایہ میں شامل ہیں کہ ان کی ذمہ داری تو تمام مسلمانوں پر ہے' لیکن بقدرِ ضرورت اگر افراد مہیا ہو جائیں اور وہ یہ فرائض ادا کر دیں تو باقی تمام مسلمان بھی فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

اسی فرائض کفایہ کے سلسلے کا ایک اہم فرض دینی تعلیم بھی ہے اور مذکورہ آیت میں اس کے فرض ہونے کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ قتال جیسے اہم فرض میں بھی اس اہم فرض کو چھوڑنا نہیں چاہیے' بلکہ جتنے افراد کی ضرورت ہے' وہ لوگ قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلیں اور باقی لوگ علم دین سیکھنے اور سکھانے کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ (معارف القرآن سے ماخوذ)

نوٹ ۲: مذکورہ آیت ۱۲۲ سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ دین کا علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے' لیکن دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔ اس لحاظ سے دین کا علم حاصل کرنا فرضِ عین معلوم ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث مذکورہ آیت سے ٹکراتی ہے اور اسی سے وہ

لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث کی صرف اسناد کی تحقیق کافی نہیں ہے اور اب ضرورت ہے کہ احادیث کے متن کی بھی تحقیق کی جائے۔ یہ بات کہنے والے لوگ نہ تو کم علم ہوتے ہیں اور نہ ہی ناسمجھ ہوتے ہیں' اس کے باوجود اتنی ناسمجھی کی بات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مقامات کے سطحی تاثر کو ان کے دل کا چور لپک کر قبول کر لیتا ہے' اس لیے وہ نہ تو خود بات کی گہرائی میں اترتے ہیں اور نہ یہ جستجو کرتے ہیں کہ ایسے مقامات کی ہمارے بزرگوں نے کیا تشریح کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں اور آیت میں علم کی مختلف سطح کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو یوں سمجھیں کہ گویا میٹرک کی سطح تک دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے' اس لیے یہ فرضِ عین کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کے آگے اس میں گریجویشن اور ماسٹر کرنا فرضِ کفایہ ہے جس کا ذکر آیت مذکورہ میں آیا ہے۔ اب اس کو وضاحت سے سمجھ لیں۔ یہ وضاحت معارف القرآن سے ماخوذ ہے۔

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ وہ اسلامی عقائد کا علم حاصل کرے' طہارت و نجاست کے احکام سیکھے' وہ تمام عبادات جو فرض یا واجب ہیں ان کا علم حاصل کرے' جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا گیا ہے ان کا علم حاصل کرے' جس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہے اس پر فرض عین ہے کہ زکوٰۃ کے احکام معلوم کرے' جس کو حج کی استطاعت ہے اس پر فرضِ عین ہے کہ وہ حج کے احکام معلوم کرے۔ جن لوگوں کو خرید و فروخت' مزدوری و اجرت اور صنعت کے کام کرنے ہوتے ہیں ان پر فرضِ عین ہے کہ وہ بیع و اجارہ کے احکام سیکھیں۔ جب نکاح کرے تو فرض عین ہے کہ نکاح و طلاق کے احکام معلوم کرے۔

اس کے آگے پورے قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا' تمام احادیث کو سمجھنا' ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا' ان میں صحابہؓ' تابعین اور ائمہ کے اقوال سے واقف ہونا' یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر لگا کر بھی ان کا حق ادا نہیں ہوتا' اس لیے شریعت نے اس علم کے حصول کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدرِ ضرورت کچھ لوگ یہ علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔

آیات ۱۲۳ تا ۱۲۹

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۱۲۴ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۲۵ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۲۶ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۲۷ لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ۫ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾

ترکیب

(آیت ۱۲۴) وَاِذَا مَا میں مَا ظرفیہ ہے۔ زَادَتۡ کا فاعل ھٰذِہٖ ہے اور یہ اشارہ سُوۡرَۃٌ کی طرف ہے۔ فَزَادَتۡہُمۡ میں زَادَتۡ کا فاعل اس میں شامل ھِیَ کی ضمیر ہے جو سُوۡرَۃٌ کے لیے ہے۔ (آیت ۱۲۷) ھَلۡ یَرٰىکُمۡ سے پہلے فَیَقُوۡلُ محذوف ہے۔ (آیت ۱۲۸) اس آیت میں تین جملہ اسمیہ آئے ہیں۔ پہلے جملہ میں عَزِیۡزٌ خبر مقدم ہے' عَلَیۡہِ متعلق خبر اور مَا عَنِتُّمۡ مبتدأ موخر ہے۔ دوسرے جملہ میں حَرِیۡصٌ خبر مقدم ہے' عَلَیۡکُمۡ متعلق خبر اور اس کا مبتدأ محذوف ہے جو مَا فَرِحۡتُمۡ ہوسکتا ہے۔ تیسرے جملہ میں بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ متعلق خبر مقدم' رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ خبر اور اس کا مبتدأ ھُوَ محذوف ہے۔

ترجمہ:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا: اے لوگو جو ایمان لائے ہو	قَاتِلُوۡا: تم لوگ جنگ کرو
الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَکُمۡ: ان سے جو قریب ہیں تمہارے	مِّنَ الۡکُفَّارِ: کافروں میں سے
وَلۡیَجِدُوۡا: اور چاہیے کہ وہ پائیں	فِیۡکُمۡ: تم لوگوں میں
غِلۡظَۃً: سختی	وَاعۡلَمُوۡۤا: اور جان لو
اَنَّ اللّٰہَ: کہ اللہ	مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ: تقویٰ کرنے والوں کے ساتھ ہے
وَاِذَا مَاۤ: اور جب کبھی بھی	اُنۡزِلَتۡ: اتاری جاتی ہے
سُوۡرَۃٌ: کوئی سورۃ	فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ: تو ان میں وہ بھی ہیں جو
یَّقُوۡلُ: کہتے ہیں	اَیُّکُمۡ: تم میں سے کون ہے
زَادَتۡہُ: زیادہ کیا جس کو	ھٰذِہٖ: اس (سورۃ) نے
اِیۡمَانًا: بلحاظ ایمان کے	فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا: پس جو لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے
فَزَادَتۡہُمۡ: تو اس نے زیادہ کیا ان کو	اِیۡمَانًا: بلحاظ ایمان کے
وَّہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ: اور وہ خوشی مناتے ہیں	وَاَمَّا الَّذِیۡنَ: اور جو لوگ وہ ہیں
فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ: جن کے دلوں میں	مَّرَضٌ: ایک روگ ہے
فَزَادَتۡہُمۡ: تو اس نے زیادہ کیا ان کو	رِجۡسًا: بلحاظ گندگی کے
اِلٰی رِجۡسِہِمۡ: ان کی (سابقہ) گندگی کی طرف	وَمَاتُوۡا: اور وہ مرے
وَہُمۡ: اس حال میں کہ وہ	کٰفِرُوۡنَ: کفر کرنے والے تھے

اَوَلَا یَرَوْنَ: اور کیا وہ لوگ غور نہیں کرتے	اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ: کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں
فِیْ کُلِّ عَامٍ: ہر سال	مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ: ایک بار یا دو بار
ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ: پھر (بھی) وہ توبہ نہیں کرتے	وَلَا ھُمْ: اور نہ ہی وہ
یَذَّکَّرُوْنَ: نصیحت حاصل کرتے ہیں	وَاِذَا مَآ: اور جب کبھی بھی
اُنْزِلَتْ: اتاری جاتی ہے	سُوْرَۃٌ: کوئی سورۃ
نَظَرَ: تو دیکھتے ہیں	بَعْضُھُمْ: ان کے بعض
اِلٰی بَعْضٍ: بعض کی طرف	ھَلْ یَرٰکُمْ: (پھر وہ کہتے ہیں) کیا دیکھتا ہے تم لوگوں کو
مِّنْ اَحَدٍ: کوئی ایک بھی	ثُمَّ انْصَرَفُوْا: پھر وہ پلٹ جاتے ہیں
صَرَفَ اللّٰہُ: پھیرا اللہ نے	قُلُوْبَھُمْ: ان کے دلوں کو
بِاَنَّھُمْ: بسبب اس کے کہ وہ	قَوْمٌ: ایک ایسی قوم ہیں جو
لَّا یَفْقَھُوْنَ: سوجھ بوجھ نہیں رکھتے	لَقَدْ جَآءَکُمْ: بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس
رَسُوْلٌ: ایک ایسا رسول	مِّنْ اَنْفُسِکُمْ: تمہارے اپنوں میں سے
عَزِیْزٌ عَلَیْہِ: گراں ہے جس پر	مَا عَنِتُّمْ: وہ جس سے تم لوگ مشکل میں پڑو
حَرِیْصٌ: شدید خواہش مند ہے	عَلَیْکُمْ: تم پر (اس کا جو تمہیں خوش کرے)
بِالْمُؤْمِنِیْنَ: مؤمنوں پر	رَءُوْفٌ: نہایت شفیق ہے
رَّحِیْمٌ: ہمیشہ مہربان ہے	فَاِنْ تَوَلَّوْا: پھر (بھی) اگر وہ لوگ منہ موڑیں
فَقُلْ: تو آپ کہہ دیں	حَسْبِیَ اللّٰہُ: مجھے کافی ہے اللہ
لَآ اِلٰہَ: کوئی الٰہ نہیں ہے	اِلَّا ھُوَ: مگر وہ (ہی)
عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ: اس پر ہی میں نے بھروسہ کیا	وَھُوَ: اور وہ
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ: عظیم عرش کا مالک ہے	

نوٹ: آخری دو آیتیں یعنی آیت ۱۲۸۔۱۲۹، حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق، قرآن کی آخری آیتیں ہیں۔ ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام یہ آیتیں سات مرتبہ پڑھ لیا کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے کام آسان فرما دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)

❁❁❁

تحریک آزادیٔ نسواں اور اس کا پس منظر

محمد رشید ارشد ☆

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ﴿۳۹﴾﴾ (النّٰزعٰت)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ :((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ))(۱)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا))(۲)

محترم خواتین وحضرات! آج درسِ قرآن وحدیث کے ذیل میں ہم ایک موضوع پر کچھ مختصر بات کریں گے۔ یہ موضوع اس وقت ہماری ہواؤں' فضاؤں میں پھیلا ہوا ہے اور اس پر ہمارے ہاں بہت ردّ وقدح اور گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ موضوع دراصل آزادی مارچ ہے' جسے عورت مارچ کا نام دیا گیا ہے۔

اس موضوع پر براہِ راست بات کرنے سے قبل چند تمہیدی باتیں جاننا ضروری ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارا سماج بہت زیادہ polarized (منقسم) ہے۔ یہ polarization بہت پرانی ہے' لیکن کچھ اسباب ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ یہ تقسیم بہت گہری' بہت تلخ اور سنگین ہوگئی ہے۔ پچھلے پندرہ سال سے جس چیز نے اس سارے معاملے کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے وہ سوشل میڈیا ہے۔ پہلے چوپالوں' مجلسوں اور نشستوں میں گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ پھر مشرف صاحب کے دور میں الیکٹرانک میڈیا کا ایک بوم آیا اور بے تحاشا پرائیویٹ چینلز سامنے آگئے اور اس میں ٹاک شوز ہونے شروع ہوئے۔ چونکہ وہ نائن الیون کے بعد کا زمانہ تھا اور بہت تصادم کا زمانہ تھا۔ سیموئیل ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں پہلے ''Clash of Civilizations'' (تہذیبوں کا تصادم) کے موضوع پر امریکہ کے مؤقر جریدے ''فارن افیرز'' میں مضمون لکھا اور پھر اس پر پوری کتاب لکھی۔ یہ تہذیبوں کا تصادم بھی بہت عرصے سے چل رہا تھا' لیکن نائن الیون کے واقعے نے اس کو بالکل جیسے نمایاں کر دیا۔ اس زمانے میں ہمارے ہاں بہت ساری بحثیں شروع ہوئی تھیں اور ٹاک شوز کا ایک پورا ٹرینڈ شروع ہوا تھا' جس میں دینی وسماجی موضوعات بہت زیادہ زیر بحث لائے جاتے تھے۔ اس میں بھی ہمارے سماج میں ایک debate (مکالمہ) شروع ہوگئی' لیکن اس سے بھی ظاہری بات ہے کہ ایک عام مڈل کلاس آدمی' ایک ٹیکنو کریٹ' ایک سٹوڈنٹ کی رسائی اس میڈیم تک نہیں تھی۔ یعنی وہ بہرحال ایک elitist (مخصوص بالخواص) میڈیم تھا کہ ٹی وی ٹاک شوز اور دوسرے ڈسکشن پینلز پر کم لوگوں کی رسائی ہوتی تھی' لیکن اب جو سوشل میڈیا کا phenomena ہے' جو ایک سائبر سپیس ہے' یہاں ہر آدمی کو گویا زبان مل گئی ہے' اسے اظہار کا موقع بھی ملا اور اسے audience (سامعین) بھی مل

☆ لیکچرر' شعبہ فلسفہ' جامعہ پنجاب' لاہور۔ پاکستان

گئے۔فیس بک اور ٹویٹر کے ذریعے ہر آدمی اپنی باتیں کر رہا ہے‘یوٹیوب میں اپنے کلپس بنا رہا ہے۔جس کے پاس ایک مناسب سا موبائیل ہو اور وہ گفتگو کا ڈھنگ جانتا ہو وہ یہ کام کر سکتا ہے۔تو اب ہر آدمی گفتگو کر رہا ہے۔رہی یہ بات کہ کون بولے گا اور کون نہیں بولے گا‘کس کو بولنے کا حق ہے‘کس کو نہیں ہے‘یہ بات تیزی سے غیر متعلق ہوتی جا رہی ہے۔جو ایک اتھارٹی اور legitimization (جوازِ قانونی) کا سوال اٹھایا جاتا تھا کہ:Who speak for whom? کون کس کے لیے کلام کرے گا؟ Who speak behalf of whom? کون کس کی طرف سے بات کرے گا؟ یا کون کس مسئلے پر بات کرے گا؟ تو اب اس سوشل میڈیا کے فروغ نے اس سوال کو گویا ہمیشہ کے لیے حل کر دیا ہے کہ جو بولنا چاہے گا اسے بولنے کا گویا حق ہے!!

ایک بہت مشہور تابعی محمد ابن سیرین رحمہ اللہ‘جو محدث بھی تھے اور تعبیر الرؤیا کے لیے بھی معروف تھے‘انہوں نے اس مسئلے کے حوالے سے پوری بات کر دی۔وہ بات اُس زمانے میں بھی کارآمد اور مضبوط تھی اور آج کے دن بھی valid ہے۔ان کا ایک قول ہے کہ لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء ’’اگر اسناد نہ ہوتیں تو پھر ہر شخص جو کہنا چاہتا کہہ دیتا‘‘۔اگر ہم اس قول کو یاد رکھتے‘اس کو سامنے رکھتے اور ہمارے مذہبی طبقات اس قول کو زندہ رکھتے تو پھر وہ انارکی نہ پیدا ہوتی جو آج ہمیں اردگرد نظر آ رہی ہے۔سند کا تصور یہ ہے کہ کلام وہ کرے گا جس کے پاس سند ہے۔کسی موضوع یا مسئلے پر وہ لب کشائی کر سکتا ہے جو اس کا اہل ہے۔یہ بات کہ جو آدمی بات کر رہا ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط ہے‘یہ بعد کا معاملہ ہے۔پہلا سوال یہ ہے کہ کون کلام کر رہا ہے؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایک قول منسوب ہے‘اس کی لوگوں نے مختلف عبارتیں بنائی ہیں۔وہ قول اس طرح ہے کہ لا تنظر الی من قال ولکن انظر الی ما قیل ’’یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہا جا رہا ہے!‘‘یہ قول ایک خاص سیاق وسباق میں اپنا ایک معنی رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جانی پہچانی اور تسلیم شدہ اچھی اور نیکی کی باتوں کو محض کسی کے تعصب اور عناد کی بنا پر ردّ نہ کیا کرو بلکہ تمہارا مخالف بھی نیکی کی بات کرے تو اسے تسلیم کر لیا کرو۔لیکن اب نیکی کی بات کون سی ہے اور کون سی نہیں؟ تو اس کا فیصلہ ماہر اہلِ علم ہی کریں گے نہ کہ عام آدمی۔لیکن اس قول کو ہم نے decontextualize کر کے عام کر دیا۔اب یہ بات بظاہر اچھی لگتی ہے اور بالخصوص آج کے دور میں تو یہ بات لوگوں کو بہت عمدہ لگتی ہے کہ ہمیں ہر چیز کو face value پر جانچنا چاہیے‘ہر چیز کو ’’ہمیں خود‘‘ پرکھنا چاہیے‘اور کس کو حق ہے کس کو حق نہیں ہے؟ یہ تو ایک خاص طرح کا استبداد ہے‘یہ تو وہی پاپائیت ہے جو عیسائیت میں آ گئی تھی‘وہ پاپائیت ہمارے ہاں ملائیت کی شکل میں آ گئی ہے۔یہ جو باتیں ہیں کہ وہ کلام نہیں کر سکتا ہے‘یہ کلام کر سکتا ہے‘وہ عالم ہے‘یہ عالم نہیں ہے‘اُس کے پاس درسِ نظامی کی سند نہیں ہے‘اِس کے پاس درسِ نظامی کی سند ہے وغیرہ وغیرہ‘تو یہ بلاوجہ لوگوں کو ایک چکر میں ڈالا گیا ہے۔ہر اچھی بات‘صحیح بات کو قبول کرنا چاہیے۔تو ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ مفہوم کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ

((اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ‘ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ أَحَقُّ بِھَا))(۳)

یعنی ’’حکمت کی بات‘ حکمت کا بول ہر دانا‘ ہر مؤمن کی گمشدہ میراث ہے‘ پس وہ اس کا زیادہ حقدار ہے جہاں پر بھی وہ اس کو پالے‘‘ —— تو کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ پتا چلا‘ دیکھنا یہ چاہیے کہ بات کیا ہو رہی ہے۔ ٹھیک ہے یہ بات بھی اپنے مقام پر درست ہے‘ لیکن وہ پہلی بات بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ یہ بھی دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے! یعنی یہ کافی نہیں ہے کہ کیا کہا جا رہا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ کون کہہ رہا ہے۔ تو دین کے بارے میں گفتگو کرنے کے حوالے سے اہلیت کا سوال ضرور اٹھانا چاہیے۔ ورنہ پھر وہی ہوگا کہ چُھٹیے اور بول بچن قسم کے لوگ جو لفاظی کرنا جانتے ہیں‘ جو لسّان اور فصیح اللّسان ہیں‘ جن کو بولنا اور گپ شپ کرنا آتا ہے‘ وہ آپ کو آگے لگا لیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کے بارے میں کچھ اندیشوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے بارے میں اپنا اندیشہ بایں الفاظ ظاہر فرمایا: ((كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيمِ اللِّسَانِ))(۴) کہ ہر اُس منافق سے فتنہ کا ڈر ہے جو علیم اللّسان ہے‘ جس کو باتیں کرنی آتی ہیں‘ جس کو باتیں بگھارنی آتی ہیں۔ تو یہ خطرناک بات ہے کہ ایسے لوگوں کو دینی موضوعات پر بولنے بلکہ اپنی آراء کے اظہار کا موقع دیا جائے اور ان کے پیچھے چلا جائے۔ میڈیا کی اس بہتات نے ایک طرف تو ہماری سماجی تفریق و تقسیم میں اضافہ کیا اور دوسری طرف غیر اہل لوگوں کو دین کا ترجمان بنا دیا اور اس چیز نے سماجی تفریق و تقسیم کو مزید گہرا کر دیا۔

اب عورت مارچ کی طرف آتے ہیں۔ یہ مارچ کئی سالوں سے ہو رہا تھا اور یہ ’’خواتین کا دن‘‘ کے عنوان سے منایا جا رہا تھا۔ لیکن پچھلے سال جب عورت مارچ ہوا تو اس میں خاص طرح کی بیہودگیاں کی گئیں‘ خاص طرح کی اس میں فحاشی (vulgarity) لائی گئی‘ کچھ نعرے بہت خطرناک قسم کے تھے۔ مشہور صحافی عامر خاکوانی لکھتے ہیں کہ میں تقریباً اٹھارہ انیس سال سے کئی اخبارات میں میگزین ایڈیٹر ہوں۔ ہر سال جب یہ دن آتا ہے تو میں خاص طور پر کسی نائب ایڈیٹر خاتون سے کہتا ہوں کہ عورتوں پر مظالم کے حوالے سے بہت اچھے طریقے سے مواد جمع کر کے ایک ایڈیشن شائع کرنا ہے۔ جس طرح ۲۳ مارچ اور ۱۴/ اگست کے دنوں میں ایڈیشنز شائع ہوتے ہیں اسی طرح کا ایک ایڈیشن شائع کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ برسوں سے یہ عمل ہو رہا ہے اور ہمارے ہاں اخبارات اور صحافت میں مرد انچارج ہوتے ہیں اور ہر سال ایسے ایڈیشن چھپتے ہیں اور وہ مرد ہی مرتّب کرتے ہیں‘ لیکن کبھی کوئی تعصب نہیں برتا گیا‘ عورت اور مرد کے درمیان کوئی جنگ نہ تھی۔ لیکن پچھلے سال سے جو بیہودگی شروع ہوئی ہے اس کے مضر اثرات ایسے پیدا ہوئے کہ ہمارے ہاں ایک جنگ شروع ہوگئی۔ یہ جنگ بنیادی طور پر ایک کلچر وار ہے۔ امریکہ کے ایک مصنف جیمز ڈیویسن ہنٹر نے امریکہ کے بارے میں تصور پیش کیا تھا کہ یہاں کلچر وار ہو رہی ہے۔ کہا گیا کہ امریکہ ایک نہیں ہے بلکہ دو ہیں‘ یعنی ایک اس کا لبرل سائیڈ ہے اور دوسرا اس کا کنزرویٹو سائیڈ ہے۔ تو کلچر وار صرف امریکہ میں نہیں ہو رہی بلکہ ہر جگہ پر ایسا ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ کوئی غریب اور تھرڈ ورلڈ ممالک کے مسائل ہیں‘ یا یہ صرف ترقی یافتہ ممالک کا مسئلہ ہے۔ نہیں‘ بلکہ یہ کلچر وار پورے عالم میں برپا ہے۔ اور اسی کا یہ trickle down effect ہے۔

ہمارے ہاں مغرب کی چیز آہستہ آہستہ آتی ہے اور اس کا ہمارے ہاں اثر کچھ دیر میں پہنچتا ہے۔ تو یہ کلچر وار بھی

ہمارے ہاں آہستہ آہستہ آئی ہے۔ بہرحال اس سے ایک تقسیم ہوجاتی ہے اور دو گروہ اپنے اپنے مورچوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور پھر ایک دوسرے پر گولہ باری شروع ہوجاتی ہے۔ لیکن اس گولہ باری سے ایک نقصان ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگ حق وانصاف پر قائم نہیں رہ پاتے۔ یعنی اگر ایک طرف ایک انتہا ہے تو اس کے مقابل میں دوسری انتہا اختیار کر لی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی راہنمائی میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے' سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ﴾ (آیت ۸)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ عدل وقسط کے گواہ بن کر۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے (اس پر نہ ابھارے) کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل ہی کیا کرو' کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔''

ایک بار نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے' ان باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے:

((كَلِمَةِ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَى))(۵)

''میں عدل کی بات کروں چاہے میں غصے میں ہوں چاہے میں خوش ہوں۔''

تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہر حال میں عدل پر قائم رہیں۔ عام طور پر جب انسان کسی سے بہت خوش ہوتا ہے تب بھی عدل کی بات نہیں کرتا اور جب بہت ناراض ہوتا ہے تو بھی عدل کی بات نہیں کرتا۔ تو یہاں حکم ہے کہ عدل کی بات کریں۔ یعنی اگر کہیں فحاشی' بدکاری یا کوئی بیہودگی ہو رہی ہے یا اس طرح کے کوئی غلط چلن ہیں جن پر کچھ لوگ چلنا چاہتے ہیں تو ان کے ردّ وانکار میں' انتہا پسندی کا شکار ہو کر عورتوں کے ساتھ مخاصمت کا رشتہ قائم نہ کریں۔ اگر ہمارے سماج میں عورتوں پر کوئی ظلم وزیادتی اور ناروا معاملہ ہو رہا ہے تو اس کا انکار نہ کریں۔ اس سے پھر طبقاتی خلیج گہری ہوتی ہے۔ مارکسزم کے ہاں یہ بہت زیادہ ہے کہ class conflict پیدا کرنا ہے۔ وہ کلاسز کون سی ہیں؟ ایک کلاس ہے haves کی جن کو ''بورژوا'' بھی کہا جاتا ہے۔ ایک have nots کی کلاس ہے جن کو ''پرولتار'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرز پر ایک کلاس ہے مردوں کی' ایک ہے عورتوں کی' ایک ہے جاگیرداروں کی' ایک ہے مزارعوں کی' ایک ہے حکمرانوں کی' ایک ہے عوام کی۔ تو ان کے درمیان ایک مخاصمت کا تعلق قائم کر دیا جائے تاکہ معاملات کو تصادم کی طرف لے جایا جائے' اور پھر جب تصادم ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو تو پھر وہاں سے انقلاب کی راہ ہموار ہوگی۔ تو مارکسزم کی طرح جدید مغرب میں بھی یہ تقسیم عام ہے۔

میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اہلِ دین کو اس جال میں نہیں آنا چاہیے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ یہ ٹریپ بنائیں' جس کی وجہ سے ایک طبقاتی تقسیم —— بلکہ عورت مارچ کے حوالے سے کہیں تو ایک صنفی تقسیم وتفریق —— وجود میں آجائے' اور تقسیم بھی وہ جو تصادم کی حد تک پہنچ جائے۔ یہ جدید مغرب کا ایک حربہ ہے کہ تقسیم وتفریق سے ہماری مشرقی اور دینی روایات شکست وریخت کا شکار ہوں اور مغربی طرز کے سماجی انقلاب کی راہ ہموار ہو۔

یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورت ومرد میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو ضرور ہے لیکن اس اختلاف کی

نوعیت دوسری ہے۔ طالب علم جانتے ہیں کہ علم التفسیر کا یہ اصول ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک اختلاف ہوتا ہے تضاد کا اور ایک اختلاف ہوتا ہے تنوّع کا۔ دین یہ کہتا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں‘ لیکن یہ اختلاف تضاد والا نہیں بلکہ تنوّع والا ہے‘ یہ حسن والا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۝۲۲﴾ (الروم)

’’اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا بنانا اور تمہاری زبانوں اور تمہاری رنگتوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘

قرآن مجید بلکہ دوسرے الہامی مذاہب میں بھی مرد اور عورت کا تعلق تضاد (antagonism) کا نہیں ہے بلکہ بنیادی طور پر complementarity کا ہے‘ یعنی یہ ایک دوسرے کو complement کرتے ہیں‘ ایک دوسرے کی کمی کو پورا کر کے اسے مکمل کرتے ہیں‘ ایک دوسرے کے کسر کا جبر کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے کہا ہے کہ یہ جوڑے ہیں۔ مرد میں کچھ رخنے اور کوتاہیاں ہیں‘ اسی طرح عورت میں کچھ رخنے اور کوتاہیاں ہیں۔ اب یہ دونوں ایک دوسرے کے رخنوں کو پُر کر کے اپنے وجود کو مکمل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں باہم مل کر ایک عظیم مقصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ دنیا کامل نہیں ہے‘ دنیا نامکمل ہے‘ دنیا ناقص ہے‘ اس کا جوڑا آخرت ہے۔ آخرت کو دنیا کے ساتھ جوڑ کر دیکھو گے تو یہ دنیا اپنی کوئی اخلاقی توجیہہ پیش کر سکے گی‘ ورنہ اس دنیا کی کوئی اخلاقی و عقلی توجیہہ ممکن نہیں ہے۔ اسی طریقے سے مرد اور عورت کے تعلق میں یہی نسبت ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل و انصاف سے برگشتہ نہ کر دے۔ تو اسی طرح ہمیں چوکنا رہنا چاہیے کہ آزادیٔ نسواں کی تحریک اور ان کے بدتمیزی اور عریانی و فحاشی پر مشتمل نعرے ہمارے مرد پن اور ہماری مردانگی کو مشتعل نہ کر دیں۔ اس سے ایک خاص طرح کا male chauvinism‘ ایک خاص طرح کی misogyny جس کو وہ کہتے ہیں‘ نہ اُبھرے۔ یہ مغرب کی خواتین اعتراضات کر رہی ہیں اور ان کے سکھانے پڑھانے پر ہماری خواتین بھی یہی زبان بول رہی ہیں۔ تو اصل میں ہم اپنی بدزبانی سے‘ اپنی بدکلامی سے اور اپنے غصے اور انتقام سے ان کے ان تصوّرات کو بڑھاوا دینے کا سبب بن رہے ہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ لبرلز‘ ماڈرنز اور لیفٹسٹ ہیں اور ہم اسلامسٹ ہیں‘ ہم سائبر مجاہدین اور جنگجو ہیں‘ لہٰذا اب ہمیں ان سے گھمسان کا رن برپا کرنا ہے۔ ماننا چاہیے کہیں کہیں دونوں طرف سے غلطی ہوتی ہے۔ یہ معاملہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہمیں جنگیں جیتنی ہیں‘ کشتی لڑنی ہے‘ بلکہ ہمیں حق کی بات کرنی ہے اور وہی بات کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو‘ بلکہ عدل کیا کرو‘ یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اسی مضمون کی قدرے فرق کے ساتھ ایک دوسری آیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ﴾ (النساء:۱۳۵)

’’اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ہو جاؤ عدل پر قائم ہونے والے اللہ کے لیے گواہ بن کر‘ چاہے یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف جا رہی ہو یا تمہارے والدین کے خلاف جائے یا تمہارے قرابت داروں کے خلاف جائے۔‘‘

اگر اہلِ اسلام اور اہلِ مذہب میں رویّوں کی کوئی غلطی ہے‘ کوئی کوتاہی ہے تو اس کو ماننا چاہیے‘ یہ ہے انصاف کی بات۔ اگر آپ کے سماج میں عورت پر ظلم ہو رہا ہے‘ زیادتی ہو رہی ہے تو اس کو ماننا چاہیے۔ تو کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعین کردہ حقوق عورت کو دیے جا رہے ہیں؟ ہم انسانی حقوق کے مغربی تصور کو نہیں مانتے۔ لیکن وہ حقوق جو اللہ ربّ العزت نے‘ اس کے رسول ﷺ نے‘ دین و شریعت نے متعین کیے ہیں کیا وہ اس کو دیے جا رہے ہیں؟ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے اس کا جواب دیں۔ وہ نہیں دیے جا رہے! وہ مَردوں کو بھی نہیں دیے جا رہے۔ وہ دوسرے مظلومین کو بھی نہیں دیے جا رہے۔ اب اس بات کے ماننے سے گفتگو کا آغاز ہوگا۔ اگر ہم اسی طرح mode of denial میں رہیں گے‘ آمادۂ تردید و انکار رہیں گے تو بات شروع نہیں ہو پائے گی۔ اگر اہلِ مذہب‘ اہلِ اسلام کے رویّوں میں‘ ان کے conduct میں کوئی کمی کوتاہی ہے تو اس کو بھی ماننا چاہیے‘ اور جو آپ کا خصم ہے‘ آپ کا فریق مخالف یا مقابل ہے اس میں اگر کوئی بھلائی‘ کوئی عدل کی بات ہے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔ بہرحال یہ اس context میں گفتگو ہو رہی ہے کہ دو طبقات بن گئے ہیں۔ ایک عورتوں کے حقوق کے علمبردار بن کے کھڑے ہو گئے اور بدقسمتی یہ ہے کہ انہوں نے دینی شعائر اور اخلاق کے حوالے سے ایک بہت غلط رویہ اختیار کیا۔ دوسری طرف اہلِ مذہب ہیں‘ ان پر ایک الزام ہے کہ یہ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں‘ زیادتی کرتے ہیں‘ یا عورتوں پر ظلم و زیادتی کی حمایت کرتے ہیں‘ یا کم از کم اس زیادتی پر نکیر نہیں کرتے۔ یہ الزام زیادہ تر تو غلط ہیں‘ لیکن ان میں کچھ نہ کچھ صداقت بھی ہے۔ چنانچہ ہمیں اس قرآنی ہدایت کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

تہذیبی جنگ کی جڑ

عورت کی آزادی کا جو مسئلہ ہے یا مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کی جو جنگ ہے اس کی اصل جڑ اور بنیاد کو سمجھنا چاہیے۔ اگر ہم بنیادی اور اصل بات کو سامنے نہیں رکھیں گے تو ہو سکتا کہ ہم کچھ ثانوی اور فروعی باتوں میں الجھتے رہیں۔ بات کو اصل سے پکڑنا چاہیے۔ ورنہ ہمارے ہاں پھر کہا جاتا رہتا ہے کہ مغربی تہذیب‘ دجالی تہذیب ہے‘ مغربی تہذیب‘ باطل تہذیب ہے‘ اور پھر اس میں جو گفتگو ہوتی ہے وہ بہت ہی عجیب اور عامیانہ سطح کی گفتگو ہوتی ہے کہ مغربی تہذیب میں اتنے ناجائز بچے ہیں‘ اس میں اتنی پورنوگرافی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس تہذیب میں غلاظت کے جو واقعی نمونے ہیں‘ ان کو بیان کر کے‘ ان پر تبراء کر کے‘ ان کو گالی دے کے ہم فارغ ہو جاتے ہیں۔ نہیں‘ بلکہ بات کو بنیاد سے پکڑیں کہ آپ کی اسلامی تہذیب اور جدید مغربی تہذیب میں بنیادی اور جوہری فرق کیا ہے۔ یہاں سے بات شروع کریں گے تو ان آزادی کے متوالوں کی سمجھ میں بھی آئے گی۔ ورنہ وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ بیچارے مولوی ہیں‘ ان کو کچھ پتا نہیں‘ ہوا میں باتیں اور گالم گلوچ کرتے رہتے ہیں۔

ایک بنیادی سوال

مغربی اور اسلامی تہذیب میں فرق کو سمجھنے کے لیے اس بنیادی سوال پر غور کریں کہ انسان کی اصل کیا ہے اور انسان کی غایت کیا ہے' اس کا جواب تمام مذاہب بالخصوص الہامی مذاہب نے ایک ہی دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی اصل بھی بندگی ہے اور اس کی غایت بھی بندگی ہے۔ میں اپنے essence میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ کا بندہ بنا کر مجھے خلق کیا گیا ہے۔ اللہ کی بندگی کا essence میرے اندر ingrained کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰)

اللہ کی وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خلق کیا۔ حدیث میں فرمایا گیا:

((كُلُّ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ.........)) (۲)

ہر بچہ فطرت پر خلق کیا جاتا ہے' فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارا essence ہے کہ ہم فطری طور پر اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کے فرمانبردار اور مسلمان بندے ہیں' لیکن پھر انسان کے والدین ہیں' اس کا ماحول ہے' جو اس کو مجوسی یا نصرانی بنا دیتا ہے۔

اسی طرح ہمارا مقصود کیا ہے؟ ہمارا مقصود اللہ کی بندگی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذاریات) ''میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی بندگی کے لیے''۔ یہ ہے ہماری اصل (origon) اور یہ ہے ہماری غایت (end)۔ اللہ سے شروع ہوگی بات اور اللہ پر ہی ختم ہوگی۔ جب کوئی انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے یا کوئی بھی تکلیف ہمیں پہنچتی ہے' یا کوئی پریشانی ہوتی ہے تو ہم ایک کلمہ بولتے ہیں: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾﴾ (البقرۃ) ''ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے''۔ تو ہم اللہ ہی کے ہیں' اسی کی مخلوق اسی کے بندے ہیں' اسی کی طرف سے آئے ہیں' اسی کے لیے دنیا میں رہنا ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ کا بندہ ہونے کا یہ جو تصور ہے یہ تمام الہامی مذاہب میں مشترک ہے۔ جس طرح مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں' ہم عبداللہ ہیں' اسی طرح ہر مذہبی عیسائی اور مذہبی یہودی بھی یہی کہتا ہے۔ مذہبی کا مطلب ہے: روایتی۔ اب چونکہ ان مذاہب کے ماننے والوں کی اکثریت لبرل اور ماڈرن ہو چکی ہے' لیکن ابھی بھی ان مذاہب میں ایک روایتی اور قدامت پسند گروہ موجود ہے اور انسان کی اصل کے حوالے سے ان کی پوزیشن بالکل وہی ہے جو اسلام کی ہے۔ میں نے جو عرض کیا کہ ہماری اصل بھی اللہ کی بندگی ہے اور ہماری غایت بھی اللہ کی بندگی ہے' تو یہ اصل روایتی یا مذہبی لوگوں میں مشترک ہے' چاہے وہ روایتی اہلِ مشرق ہوں یا اہلِ مغرب۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ مذہبی یا روایتی طبقہ اور اس کی تہذیب' دنیا پر غالب نہیں ہے۔ اس وقت غالب' جدید مغربی تہذیب ہے۔ یہی اس وقت dominate کرتی ہے اور وہ اب صرف مغرب میں locate نہیں کرتی بلکہ پوری دنیا میں ہے۔ اس جدید تہذیب کی اقدار' اس روایت سے مختلف ہیں جس کی ہم اوپر بات کر آئے ہیں۔ اس وقت جو تہذیبوں کی جنگ ہو رہی ہے اصل میں انہی اقدار کی جنگ ہے۔

مغربی تہذیب کی سب سے بڑی قدر کیا ہے؟ وہ چیز جوان کی essence ہے‘ جس کو وہ اپنی essence مانتے ہیں وہ کیا ہے؟ وہ ہے: ’’آزادی (freedom)‘‘۔ یہ بات میں ایسے نہیں کہہ رہا بلکہ اس حوالے سے آپ جدید پڑھے لکھے‘ سماجی علوم کے ماہرین‘ ماہرِ نفسیات‘ ماہرِ بشریات یا فلسفیوں سے پوچھ لیں‘ وہ انکار نہیں کریں گے۔ یعنی بات وہ کرنی چاہیے جس کو آپ کا فریق مخالف بھی تسلیم کرے۔ بہرحال یہ ہے فرق ان دو تہذیبوں کا‘ یہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے دیے دستور میں بندھے ہیں اور وہ آزاد ہیں‘ ہر دین‘ ہر دینی روایت اور ہر خدا سے آزاد۔ تو یہ جو جنگ ہو رہی ہے یہ جنگ ہے عبدیت کی اور آزادی کی۔ ہمارے عہد کے ایک مفکر اس جنگ کے بارے میں کہتے ہیں: ’’یہ جنگ دو فریقوں کے درمیان ہے۔ ایک وہ جو لا الٰہ الا اللہ کے قائلین ہیں اور اس کے مقابل میں وہ افراد و اقوام جو لا الٰہ الا الانسان کے مؤیدین ہیں‘‘۔ اس کے ایک فریق کا کہنا اور ماننا یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے‘ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے‘ جبکہ دوسری طرف والے کہہ رہے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے انسان کے۔ یعنی انسان دیوتا ہے۔ ہم یہ اس معنی میں کہہ رہے ہیں کہ روایتی انسان خود کو اللہ اور اس کی مرضی کا پابند کہتا تھا۔ اب جدید انسان اللہ کو چھوڑ کر‘ اپنی مرضی‘ اپنی خواہش بلکہ خواہش نفس کا پیرو ہے۔ گویا جو مقام پہلے اللہ کو حاصل تھا‘ اب انسان کو حاصل ہے۔ تو گویا انسان اب دیوتا ہے۔

ہمارے ایک فاضل دوست نے بہت اچھا مضمون لکھا: ’’انسان دیوتا کی خدمت میں‘‘۔ اس وقت انسان بنیادی طور پر کیا ہے؟ دیوتا ہے! اگر آپ کا علم کی دنیا سے تھوڑا تعلق ہو تو اس وقت ایک بہت مشہور مصنف Harari ہے جو اسرائیلی ہے‘ اس کی کتابیں بہت مشہور ہو رہی ہیں۔ اس کی ایک کتاب آئی :Sapiens۔ پھر اگلی کتاب آئی :Homo Deus جس کا مطلب ہے :Man God یعنی انسان خدا۔ گویا اب انسانیت اس مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ یہ ہے جدید انسان‘ یہ ہے جدیدیت۔ جدیدیت کے لیے ایک دوسرا لفظ ہے: تحریک روشن خیالی (Enlightenment Project) اس کا ایک بہت بڑا آدمی ہے :Immanuel Kant (ایمانوئل کانٹ) اس نے ۷۰ء کی دہائی میں جرمن زبان میں ایک مضمون لکھا تھا‘ جس کا ترجمہ تھا :What is Enlightenment اس نے پہلے پیراگراف میں جدید مغربی تہذیب کا اصل الاصول واضح کرتے ہوئے کہا کہ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے: ’’Self-Imposed Immaturity‘‘۔ اس immaturity کے لیے مختلف الفاظ ترجمہ میں آتے ہیں۔ کہیں آتا ہے :tutelage جس کو ہم کہتے ہیں: تلمذ۔ کہیں آتا ہے :minority‘ یعنی نابالغ ہونا۔ کہیں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے :Nonage۔ مطلب کیا ہے کہ انسان نے اپنے اوپر ایک عدم بلوغ‘ ایک تلمذ‘ ایک immaturity عائد کر رکھی ہوئی ہے‘ اور وہ یہ ہے کہ وہ خود سے نہیں سوچتا‘ بلکہ کہتا ہے کہ میں کسی اور کی مانوں گا‘ میں اپنے غیر کی سنوں گا۔ میں اتھارٹی کی بات مانوں گا‘ چاہے وہ باپ ہو‘ چاہے وہ پادری ہو‘ چاہے وہ بادشاہ ہو‘ چاہے وہ استاد ہو اور چاہے وہ خدا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ کہتا ہے:

Immaturity is the inability to use one's understanding without guidance from another...

یعنی کسی دوسرے کی رہنمائی کے بغیر اپنی تفہیم کو بروئے کار لانے کی اہلیت کا نہ ہونا ہی بچپنا ہے۔

پھر اس نے کہا کہ روشن خیالی کا نعرہ کیا ہے: Dare to know یعنی خود جانو‘ خود پرکھو۔ اور اس سے نکلتا ہے: Human autonomy کہ انسان خود مختار ہے‘ وجود کے لیے بھی خود مختار ہے‘ علم کے لیے بھی خود مختار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی کی مخلوق نہیں اور انسان کو علم کے لیے وحی کی کمک کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان کی عقل‘ انسان کے حواس خود مکتفی ہیں۔ یعنی ہر مذہب اور ہر تہذیب میں روایتی آدمی ایک theonomous being تھا۔ یعنی وہ خدا پر dependent ایک وجود تھا‘ جبکہ جدید انسان autonomo us ہے‘ یعنی اپنے اوپر depend کرنے والا‘ جو کسی اور کی بات نہیں سنتا‘ کسی اور پر اعتماد نہیں کرتا‘ چاہے وہ مذہب ہو‘ چاہے کوئی مذہبی شخصیت اور چاہے مذہب کا بھیجنے والا یعنی خدا ہی ہو!! —— یہ ہے ہمارے اور اُن کے درمیان اصل فرق۔ یہ ہے وہ جگہ جہاں سے مکالمے کا آغاز ہونا چاہیے کہ کیا تمہاری سب سے بڑی قدر بندگی ہے یا آزادی ہے؟ تم اللہ کو رب مان کر خدا مان کر اس کے بندے بنتے ہو اور اسی مرضی کی پابندی کرتے ہو یا اپنی مرضی کو اپنا حاکم بنا کر خود کو پوجتے ہو؟ اس کا جواب دو‘ پھر ہم آگے بڑھیں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس ساری بحث میں ایک خلط مبحث پیدا کر دیا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ جو ہمارا سلوگن ہے‘ آپ نے بلاوجہ اس سلوگن کو پکڑ لیا: ’’میرا جسم میری مرضی‘‘۔ تو لبرلز نے کہا کہ آپ لوگ چونکہ بیمار ذہن کے لوگ ہیں‘ pervert ہیں‘ آپ لوگ جسم اور جنس اور جسمانیت سے آگے سوچ نہیں سکتے‘ تو اس وجہ سے آپ اس کے گندے اور الٹے مطلب نکال رہے ہیں‘ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں جس پر آپ تنقید کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ عورت چاہتی ہے کہ میری زندگی کے فیصلے میری مرضی سے ہوں۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم تو تمہاری یہ بات مان ہی نہیں سکتے‘ اس لیے کہ عورت ہو‘ مرد ہو‘ چاہے تیسری جنس ہو‘ شہری ہوں چاہے حکمران‘ شاگرد ہو چاہے استاد‘ مرید ہو چاہے پیر‘ اولاد ہو چاہے والدین‘ بیوی ہو چاہے شوہر‘ ان میں سے کسی کی مرضی ہے ہی نہیں۔ ہمارے نزدیک وہ سارے کے سارے غلام ہیں‘ آزاد نہیں ہیں۔ وہ عبداللہ ہیں یعنی وہ اللہ کے غلام ہیں۔ لہٰذا عورت کی مرضی کہاں سے آ گئی؟

دوسرا جواب ان کے اس اعتراض کا ہے‘ جو وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ لوگ غلط ریڈنگ کر رہے ہیں‘ ہمارے نعرے کا غلط مطلب بیان کر رہے ہیں‘ تو ہم کہتے ہیں کہ اس نعرے کے مطلب کی وضاحت کرنے کا حق آپ کو حاصل ہی نہیں ہے‘ کیونکہ یہ سلوگن آپ کا ہے ہی نہیں‘ یہ سلوگن باہر سے درآمد شدہ ہے‘ جس طرح ہماری ہر چیز باہر سے آتی ہے یہ نعرہ بھی باہر سے آیا ہے۔ تو یہ نعرہ آپ نے پہلی مرتبہ نہیں لگایا بلکہ یہ نعرہ مغرب اور امریکہ میں لگایا گیا تھا۔ اس کی ایک تاریخ ہے اور وہی تاریخ اس کے مطلب کو بھی واضح کرے گی۔ وہاں پر نعرہ کیا تھا: My body My choice۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ وہاں ایک بحث اور ایک جنگ چل رہی تھی: prochoice اور prolife۔ یعنی..... مسئلہ اصل میں abortion (اسقاطِ حمل) سے شروع ہوا تھا۔ بحث یہ تھی کہ کیا عورت کو اسقاطِ حمل کا حق حاصل ہے کہ نہیں؟ وہاں پر ۱۹۷۴ء میں ایک مشہور مقدمہ تھا: Roe vs Wade۔ اس مقدمے میں پہلی مرتبہ امریکی سپریم کورٹ نے اجازت دے دی تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی آزاد مرضی سے اپنی کوکھ میں پلنے والے بچے

کو abort (ساقط) کرنا چاہے تو ریاست اس میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ یعنی عورتوں کو abortion کا حق دے دیا گیا۔ یہاں سے بات شروع ہوئی۔

اب prochoice والوں نے کہا: ''My body My choice'' میرا جسم میری مرضی! میری کوکھ میں پلنے والا بچہ وہ میرے جسم کا حصہ ہے' تو مجھے اپنے جسم سے اس کو منہا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ مثلاً میرے جسم میں appendix ہے' مجھے اپنا appendix نکلوانا ہے تو کیا مجھے اس کے لیے ریاست یا مفتی کی اجازت ہونی چاہیے؟ کوئی ضرورت نہیں! میرے جسم میں ایک پتھالوجی پیدا ہوئی اور میں نے اس کو نکلوا دیا۔ ایسے ہی ایک fetus میرے کوکھ میں پلنا شروع ہوا ہے' unwanted (غیر مطلوب) ہے' میں اس کو نہیں چاہتی تو میں اس کو علیحدہ کردوں۔ تو یہاں سے یہ بات شروع ہوئی۔ یہاں سے ان کا نعرہ بنا'' My body My choice'' تو ''میرا جسم میری مرضی'' اسی نعرے کا ترجمہ ہے۔ اس کو آپ سمجھ لیں یہ شجرہ نسب ہے اس نعرے کا۔ اس کا آپ کوئی نیا مطلب خود سے نہیں نکال سکتے۔ وہ مطلب مغرب والوں نے طے کیا ہے' اس کو مانیں اور پھر ان کو بتائیں۔ تو خیانت کیوں کر رہے ہیں؟ یعنی یہ جو خیانت کی جاتی ہے کہ اس نعرے کا یہ مطلب نہیں ہے' وہ مطلب ہے۔ یہ نعرہ جہاں سے ترجمہ کیا گیا ہے وہاں اس کا یہ مطلب ہے۔ تو اس بات کو spell کریں نا! زور سے بیان کریں کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں..... اگرچہ ہم ابھی کھل کر بیان نہیں کر رہے' لیکن اگلے مرحلے میں ہم یہ سب چاہتے ہیں اور چاہیں گے۔ بہرحال میں عرض کر رہا ہوں کہ اس کو ہمیں problematize کرنا چاہیے کہ اس نعرے کے پیچھے نظریات یہ ہیں۔ اور پھر اصولی بات میں نے عرض کر دی کہ میرا تیرا والی بات ہی نہیں ہے' بلکہ ہم اللہ کے بندے ہیں' ہم آزاد نہیں ہیں۔

مغرب میں اگرچہ تہذیب جدید کو نمایاں فتح حاصل ہوئی ہے' لیکن جنگ مکمل ختم نہیں ہوئی' ابھی تک چل رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مغرب بھی سارا کا سارا لبرلزم کے سامنے لیٹ گیا' بلکہ وہاں کے مذہبی لوگ اب بھی لڑ رہے ہیں۔ مذہبی عیسائی' جو پرولائف کے قائل ہیں' وہ کہتے ہیں کہ جب سے یہ مقدمہ ہوا ہے ہر سال امریکہ میں تین لاکھ قتل ہوتے ہیں اور اب تک امریکہ میں تقریباً چھ کروڑ کے قریب قتل ہو چکے ہیں۔ وہ باقاعدہ اس کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ کہنا کہ یہ آپ کے وجود کا حصہ ہے یہ بات ہی غلط ہے' بلکہ وہ ایک اضافی چیز ہے جو لگی ہوئی ہے' وہ آپ کے وجود کا حصہ نہیں ہے اور پھر وہ اس کو problematize کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے' اگر ہم آپ کی یہ بات مان لیں کہ انسان کا جسم ہے اس کو اختیار ہونا چاہیے تو پھر آپ نے Human organs market (انسانی اعضاء کے بازار) پر کیوں پابندی لگائی ہوئی ہے؟ میں اپنا پھیپھڑا' اپنا دل' اپنا جگر' اپنا گردہ بیچوں تو جس طرح دوسری چیزیں باہر کھلے عام بکتی ہیں اسی طریقے سے آپ کو human organs market کی بھی اجازت دینی چاہیے۔ جس منطق سے آپ اپنے جسم کا یہ حق مان رہے ہیں کہ ''ہمارا جسم ہماری مرضی'' اس مرضی سے پھر آپ انسانی اعضاء کے بازاروں کی بھی اجازت دیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو آپ جسم فروشی (prostitution) کو قانونی حیثیت دیں۔ ابھی بھی مغرب کے تمام ممالک میں prostitition قانونی نہیں ہے۔ پھر اسی طریقے سے نشہ (drugs) کو آپ بُرا کیوں کہتے ہیں؟ میرا جسم ہے' میں افیون' بھنگ پی رہا ہوں' میں ہیروئن کھا رہا ہوں تو اس میں آپ کا کیا لینا دینا ہے'

آپ drugs پر کیوں پابندی لگاتے ہیں؟ ''میرا جسم میری مرضی'' والی منطق پر پھر یہ پابندی نہیں بنتی۔ اسی طریقے سے وہاں پر sin tax (جرمانہ) لگایا جاتا ہے۔ بہت سی جگہوں پر نشہ آور مشروبات اور سگریٹ وغیرہ پر ''گناہ ٹیکس'' لگایا جاتا ہے کہ یہ جرم یا گناہ ہے۔ کیوں گناہ ہے' کیوں آپ ٹیکس لگا رہے ہیں؟ میرے پھیپھڑے ہیں' میں سگریٹ پیوں یا نہ پیوں' میری مرضی۔ بہرحال یہ وہاں کے عیسائی وہاں کھڑے ہو کر ان کی اپنی منطق سے رڈ کر رہے ہیں۔ پھر بعض ممالک میں کہیں لازمی سروسز ہوتی ہیں کہ آپ نے اتنا عرصہ بچوں کو پڑھانا ہے' کہیں آپ نے اتنا عرصہ آرمی میں خدمت کرنی ہے اور یہ سب کے لیے لازمی ہوتی ہیں' یہ کیوں کی جا رہی ہیں؟ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارا مطالعہ کچھ زیادہ ہو تو ان کے اپنے استدلال پر ان کی بات کو کاٹا جا سکتا ہے۔ پھر جو میں نے عرض کیا کہ یہ دھوکہ دینا کہ اصل میں یہ غلط بات کی جا رہی ہے۔ ایک چھوٹا سا مضمون ہے' میں اس کا اقتباس پڑھ دیتا ہوں جو ایک پڑھی لکھی فاضل خاتون نے تحریر کیا ہے۔ وہ جنڈر سٹڈیز میں پی ایچ ڈی ہیں اور ایک نجی یونیورسٹی میں تدریس کرتی ہیں۔ ان کا دو تین دن پہلے ایک مضمون چھپا جس میں انہوں نے اس بات کو problematize کیا۔ وہ لکھتی ہیں:

''میرا جسم میری مرضی! عورت حق نہیں مانگ رہی' ظلم بے نقاب کر رہی ہے۔''

انہوں نے بات یہاں سے شروع کی' لیکن انہوں نے اس جملے کو problematize نہیں کیا' حالانکہ مذہبی خاندان سے ان کا تعلق ہے۔ آگے لکھتی ہیں:

''اگر یہ عورت کہے کہ میرا جسم میری مرضی تو اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ....''

اس کے بعد انہوں نے ''سادہ مطلب'' بیان کیا ہے۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ سادہ مطلب جو وہ بیان کر رہی ہیں نہ اس نعرے کا مطلب ہے اور نہ ہی اس نعرے کے بانیوں کا یہ مطلب ہے اور نہ ہی یہ مطلب اس نعرے کے تاریخی پس منظر سے لگا کھاتا ہے۔ یہ مطلب تو آپ خود سے ان کے منہ میں ڈال رہے ہیں۔ اس نعرے کا جو مطلب ہے وہ واضح ہے' جو غلطی سے عورت مارچ والوں کے بینرز پر بھی آ گیا تھا* اور اب ان کو وہ چھپانا پڑ رہا ہے' چونکہ وہ سب قانونی نہیں ہے۔ میں نے اس حوالے سے پڑھا ہے کہ اس سال جو یہ مارچ کروا رہے ہیں انہوں نے باقاعدہ پروٹوکولز دیے ہیں کہ دیکھو hate speech اور فحاشی وغیرہ نہ ہو' یعنی ابتدائی طور پر وہ ان چیزوں سے بچ کر چلنا چاہتے ہیں جو ان کے لیے قانونی یا سماجی مسائل کھڑے کریں۔ لیکن اصل بات وہی تھی جو پچھلے سال کے بینرز پر

* عورت مارچ کے بعض شرکاء نے اپنے انٹرویوز میں لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی ہے اور اپنے نظریات کا واشگاف اظہار کیا ہے۔ جب ایک صاحب سے اس کے اٹھائے پلے کارڈ کی عبارت ''بہن میری' مرضی اس کی اپنی'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے یہ وضاحت کی: ''جی ہاں بہن میری' مرضی اس کی اپنی' یعنی وہ ہر طرح سے آزاد ہے کہ وہ جس طرح اپنی زندگی گزارنا چاہے گزار سکتی ہے' معاشی طور پر' سیاسی طور پر' جنسی طور پر' یہ اس کا اپنا حق ہے''۔ سوال کیا گیا کہ نکاح سے پہلے وہ کہیں جانا چاہے تو جا سکتی ہے؟ تو اس مرد نے جواب میں کہا: ''یہ نکاح کیا ہے؟ یہ تو فضول بات ہے۔ اگرچہ ابھی ہمارے معاشرے میں یہ relevant (متعلق) ہے' لیکن بہرحال کوئی limitation نہ بہن پر ہونی چاہیے نہ بیوی پر۔ ہم کون ہوتے ہیں پابندی لگانے والے؟

(https://www.youtube.com/watch?v=jZKcr0GgtWg)

آ گئی تھی۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ وکی لیکس کی طرح لیک ہوگئی تھی۔ تو جو کچھ پچھلے سال بینرز اور پلے کارڈز پر آیا ہے اصل وہ ہے۔ یہ جو یہاں بتایا جا رہا ہے وہ اصل نہیں ہے۔ بہرحال وہ خاتون لکھتی ہیں:

''...سادہ سا مطلب یہ ہے کہ کوئی مجھے قتل نہیں کرسکتا اور زبردستی جنس کا شکار نہیں کرسکتا' میرے جسم پر تیزاب نہیں پھینک سکتا' قانون ہاتھ میں نہیں لے سکتا' مجھے روزانہ گھریلو تشدد کا نشانہ نہیں بنا سکتا' مجھے غیرت کا نام لے کر زندگی سے محروم نہیں کرسکتا' مجھے اغوا نہیں کرسکتا' مجھے جہیز کے نام پر رسوا نہیں کرسکتا' مجھ سے طلاق کا حق نہیں چھین سکتا' وغیرہ وغیرہ۔''

ظاہر بات ہے اس کا کون انکار کرے گا؟ کس مذہبی آدمی نے کہا ہے کہ عورت کے ساتھ یہ سب ہونا چاہیے؟ اور کون ان امور پر پابندی لگانے کے حق میں نہیں ہے؟ اور ان میں سے اکثر حقوق قانوناً تو آپ کے مطالبات سے بڑھ کر آپ کو پہلے ہی حاصل ہیں' پھر تحریک چلانے کا کیا مطلب؟ اور ان باتوں کو ''میرا جسم میری مرضی'' سے جوڑنا بعض اعتبار سے بے معنی بھی ہے۔ ''کوئی میری مرضی کے بغیر مجھ پر تشدد نہیں کرسکتا' کوئی میری مرضی کے بغیر مجھے قتل نہیں کرسکتا؟'' تو کیا ان کاموں میں سے کچھ آپ اپنی مرضی سے کرنے کو بھی تیار ہیں؟

یہ خاتون آگے لکھتی ہیں:

''ہمارے ہاں مسئلہ کیا ہے؟ جو پدرسری معاشرہ ہے اس نے مرد کو فوقیت دے کر عورت کو مرد کی مرضی کے تابع کر دیا ہے۔''

اس پر کبھی الگ سے بات ہونی چاہیے۔ ایک لفظ صبح وشام بار بار بیان ہو رہا ہے: patriarchy' جس کا مطلب ہے: پدرسری معاشرہ۔ ایک مذہبی خاتون بھی یہی کہہ رہی ہیں کہ ہمارا مسئلہ یہی ہے۔ کاش ان کو تھوڑا سا پتا ہو کہ پدرسری کا سادہ تصوّر کہاں سے پیدا ہوا۔ جن لوگوں نے اس تصور پر کام کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑھ کر پدرسری کا تصوّر وحی نے پیدا کیا ہے' مذہب نے پیدا کیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۳۴) اس کا کیا ترجمہ کریں گے؟ کیا یہ پدرسری نہیں ہے؟ اگر کوئی مذہبی عورت یہ کہتی ہے کہ میں اللہ کو مانتی ہوں' میں رسول ﷺ کو مانتی ہوں' میں قرآن کو مانتی ہوں' لیکن بہرحال میں پدرسری سماج کے خلاف ہوں تو اس خاتون کو اندازہ نہیں ہے کہ اس کی بات کے کیا مضمرات ہیں؟ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ وہ نادانستگی میں قرآن کا رد کر رہی ہے' وہ رسول اللہ ﷺ کا رد کر رہی ہے' لیکن پدرسری کا جملہ مذہبی اور غیر مذہبی تمام عورتیں ہی بول رہی ہیں۔ بڑے لوگ آپ کو بتا دیں گے کہ دنیا بھر میں پدرسری سماج کی اصل جڑ بنیاد مذہب میں ہے۔ اس لیے اگر آپ کو پدرسری ختم کرنی ہے تو آپ کو مذاہب کا قلع قمع کرنا ہے۔

آزادیٔ نسواں کی تحریک اور اس کی نام لیوا خواتین اپنے جسم پر وہ مطلق آزادی چاہ رہی ہیں جو ہم مرد کو بھی نہیں دے سکتے' تو عورت کو کیا دیں گے؟ اس کی وجہ ہمارا علم الوجود ہے جس کے ذریعے ہم جانتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن عورتوں کی آزادی کی بات صرف ان کے جسم تک نہیں ہے' وہ صرف خاندانی نظام کو تہہ و بالا نہیں کرنا چاہتیں' بلکہ وہ خدا سے آزاد ہو کر مذہب کی بنیادیں گرانا چاہتی ہیں۔ اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ تصورِ آزادی اصل میں انسان کی پوجا اور اس کو دیوتا بنانا ہے۔

ہمارے ہاں بہت سی feminist خواتین ہیں جو دین اور تعبیر دین تک کی بنیاد feminism (نسائیت) پر رکھنا چاہتی ہیں' مثلاً امینہ ودود بہت مشہور خاتون ہے جس نے مردوں کو نماز پڑھائی تھی' وہ کہتی ہیں کہ ابھی تک قرآن مجید کی ایک patriarchal اور masculine ریڈنگ ہوتی رہی ہے' اب ہم پہلی مرتبہ قرآن کی ایک feminist ریڈنگ کریں گی۔ کیا وجہ ہے کہ سارے محدّث' سارے فقیہہ' سارے متکلّم' سارے مفسّر وغیرہ مرد ہیں' یہ تو مردوں نے اپنی تعبیر دین ہم پر مسلّط کر رکھی ہے۔ ایک مشہور فلسطینی نژاد خاتون ہیں راشدہ طالب جو امریکہ کے ایوانِ نمائندگان کی ممبر منتخب ہوئیں۔ اس پر بڑی خوشیاں منائی گئیں کہ ایک مسلمان ہے اور عرب نژاد ہے' حالانکہ وہ خاتون بنیادی طور پر بالکل لیفٹ کی خاتون ہیں اور ان کا ایک جملہ بہت مشہور ہوا تھا۔ وہ فرماتی ہیں: My Allah is She (معاذ اللہ!) یعنی تم نے خدا مذکر (He) بنا دیا ہے' تو میں جس خدا کو مانتی ہوں وہ (معاذ اللہ!) مؤنث ہے۔ ہمارا تصوّر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مَردوں' عورتوں اور تمام جنسوں کا خالق ہے' لیکن خود وہ جنس سے ماوراء ہے۔ تو اس طرح کی خواتین ہیں جو اسلام کی نمائندہ بن کر اسلامی تصورات کے خلاف کام کرتی ہیں۔ لیکن ان کو اگر مغرب میں کوئی عہدہ ملتا ہے تو ہمارے ہاں بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں بڑی خوشی منائی گئی تھی کہ محمد صادق لندن کے میئر بن گئے کہ ایک مسلمان' ایک پاکستانی نژاد میئر بن گیا' لہٰذا بہت خوشی کی بات ہے۔ لیکن یہ وہ شخص ہے جو ہم جنس پرستوں اور LGBTQ کے حقوق کا سب سے بڑا چیمپئن ہے۔ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ کی شناخت صرف مسلمان کی ہے' اس کے علاوہ آپ کا اسلام سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اس طرح کے جتنے مظاہر ہیں اصل میں وہ نظریہ آزادی ہی کے شاخسانے ہیں۔ تو بات اتنی سادہ نہیں ہے جتنا عام طور پر ہمارے ہاں کی پڑھی لکھی خواتین سمجھتی ہیں اور بات اس لیپا پوتی جیسی بھی نہیں ہے جو تحریک آزادیٔ خواتین کے راہنما کرتے نظر آتے ہیں' بلکہ ان کے نعروں کا وہی مطلب ہے جو مغرب نے دیا اور جس کے کچھ مظاہر آپ کو اپنے ہاں بھی نظر آتے ہیں۔

وہ خاتون آگے لکھتی ہیں:

''دنیا کے بڑے سماجی محققین اور فلاسفہ نے بنیادی انسانی حقوق کی بات کی بھی تو اپنی جان اور جسم کے حق کی بات سب سے پہلے کی..... چیزوں پر ملکیت!''

اب یہ وہی ''میرا جسم میری مرضی'' والی بات ہے' لیکن دوسرے پیرائے میں۔ تو اگر ہم اللہ کے بندے ہیں' جیسا کہ فی الواقع ہیں' تو ان میں سے کسی چیز پر ہماری ملکیت نہیں ہے۔ ہماری اپنی جان پر کوئی ملکیت نہیں۔ خودکشی کیوں حرام ہے؟ اس لیے کہ ہم اپنے مختار نہیں ہیں کہ اپنی جان لے سکیں۔ ہم چیزوں کے بالکل مالک نہیں ہیں' بلکہ ہم تو امین ہیں۔ قرآن میں کہا گیا: ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اور ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ تو یہ بات کہنا کہ زندگی آزادی سے بسر کرنی چاہیے غلط ہے' بلکہ آج کا بت تو آزادی کا بت ہے' ہمیں اس کو چیلنج کرنا چاہیے اور اس کے بارے میں گفتگو کرنی چاہیے۔

حاصلِ کلام

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ یہ پولرائزیشن (تقسیم اور تفریق) پھیل رہی ہے' بڑھ رہی ہے اور اس میں

سوشل میڈیا کے آنے کی وجہ سے بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ لیکن ہمیں گفتگو کرنی چاہیے تو بنیادوں سے کرنی چاہیے کہ یہ دو دینوں کا ٹکراؤ ہے۔ وہ دو دین کون سے ہیں؟ دیکھیے اگر آپ کیپٹلزم' لبرل ازم' سیکولرزم یا سوشلزم کی بات کریں گے تو پھر اس میں آپس میں کوئی نہ کوئی تضاد یا ٹکراؤ پیدا ہو جائے گا۔ وہ دین کون سا ہے جو سب سے زیادہ غالب ہے؟ جس کو capitalist' لبرل' کنزرویٹو وغیرہ سب مان رہے ہیں؟ وہ دین ہے : انسانیت (Humanism)۔ اس کا نام اتنا خوبصورت اور خوش نما ہے کہ انسان کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ اس کا رد کہاں سے کرے؟ کیونکہ Humanism کا مطلب یہ ہے کہ ''سب اچھا ہے' سب لوگ اچھے ہیں' انسانوں سے محبت رکھو' انسانوں سے تعلق رکھو' محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں۔ اور انسانوں میں کوئی تقسیم نہیں ہوتی' یہ تم نے غلط کیا ہے کہ لوگوں کو نسلوں میں بانٹ دیا' لوگوں کو جنسوں میں بانٹ دیا۔ اور سب سے بڑی تقسیم یہ ہے کہ لوگوں کو مذاہب میں بانٹ دیا اور کہنا شروع کر دیا کہ یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی ہیں! یہ کتنی تکلیف دہ تقسیمات ہیں۔ تو ہمیں ان تمام تقسیمات سے نکل کر انسانیت کی طرف آنا ہے''۔ ہوتا یہ ہے کہ اس ٹریپ میں ہمارے مذہبی لوگ بھی آجاتے ہیں کہ ہماری اصل انسانیت ہے۔ سب لوگوں میں مشترک denominator کیا ہے؟ کوئی مذہب کو مانتا ہے' کوئی نہیں مانتا' کسی کی کوئی نسل اور کسی کی کوئی نسل' کسی کا کوئی رنگ وزباں اور کسی کی کوئی زبان ورنگ۔ ان سب میں مشترک denominator اگر کوئی ہے تو وہ انسانیت ہے۔ یہیں سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔ نہیں' اس کے علاوہ بھی ایک مشترک denominator ہے' جو نہ صرف تمام انسانوں بلکہ جانوروں' نباتات' جمادات' حتیٰ کہ اللہ کے علاوہ تمام چیزوں میں مشترک ہے اور وہ ہے: عبدیت۔ فرشتے بھی عبد ہیں' زمین بھی عبد ہے' سورج بھی عبد ہے' چاند بھی عبد ہے' پہاڑ بھی عبد ہیں' ستارے بھی عبد ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ۶﴾ (الرحمٰن)

''اور تارے اور درخت سربسجود ہیں۔''

﴿اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ۹۳﴾ (مریم)

''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ پیش ہو گا رحمٰن کے سامنے بندہ بن کر۔''

﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ﴾

(بنی اسرائیل: ۴۴)

''اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ کی پاکی اور تعریف بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔''

تو یہاں سے بات کو پکڑیں کہ ہماری اصل قطعاً انسانیت نہیں ہے' بلکہ ہماری اصل ہے: بندگی۔ اور انسان ہونا ایک ایکسیڈنٹ ہے' ایک عارض ہے۔ اگر انسان نہ ہوتے تو نباتات و جمادات ہوتے' کوئی ہرن ہوتا' کوئی درخت ہوتا' کوئی گھاس کا پتا ہوتا' لیکن جو بھی ہوتا بنیادی طور پر وہ عبد ہوتا۔ تو ہمیں اس کو سامنے رکھ کر کھڑا ہونا چاہیے۔ لڑائی بس اسی چیز کی ہے کہ وہ آزاد بننا چاہتے ہیں اور ہم اللہ کے بندے اور اللہ کے غلام۔

یہ دو مائنڈ سیٹ ہیں۔ سورۃ النازعات کی جو آیات میں نے شروع میں تلاوت کی تھیں' ان میں ان کا ذکر ملتا ہے:

﴿فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی ۳۷﴾ ''جس نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا''۔ تو اُس طرف طغیانی ہے' جبکہ اس طرف کیا ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ﴾ (آیت ۴۰)۔ یہ جو اِس طرف ہے کہتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' مجھے مرنا ہے' مرنے کے بعد اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ یہ پوزیشن ہے بندوں کی۔ جبکہ دوسری پوزیشن طغٰی (سرکشی) ہے' وہ سب کچھ ہے جو آپ کے سامنے ہو رہا ہے۔ یعنی وہ سرکشی' بغاوت اور اللہ کی بندگی سے انکار ہے۔ وہاں کیا ہے: ﴿وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾﴾ ''اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی''۔ یعنی جو جی چاہے' جو نفس چاہے وہ کرو۔ وہی بات کہ میرا جسم میری مرضی' میں جو چاہوں کروں۔ جبکہ اِس طرف کیا ہے: ﴿وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ﴿۳۹﴾﴾ ''اِس نے اپنے نفس کو خواہش سے روکا''۔ جبلتوں کے منہ زور گھوڑے کو لگام دے کر رکھا۔ وہاں انجام کیا ہے: ﴿فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۰﴾﴾ ''پس بلاشبہ جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے''۔ اور یہاں کیا ہے: ﴿فَاِنَّ الْجَنَّۃَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾﴾ ''پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔''

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ پورے دین کا خلاصہ ان آیات میں آ جاتا ہے کہ زندگی گزارنے کے دو ڈھنگ ہیں: یا تو اتباعِ ھُدیٰ ہوگی' یعنی بندگی ہوگی۔ یا اتباعِ ھَویٰ ہوگی' یعنی اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی ہوگی۔ تو ہمیں آزادی کے دلفریب نعروں سے بچ کر اللہ کی عبدیت اور غلامی اختیار کرنی ہے تاکہ جنت ہمارا دائمی ٹھکانہ قرار پائے۔ شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ خواتین کے حقوق کی ادائی میں عام طور پر کمی پائی جاتی ہے۔ اہلِ مذہب بھی ان جائز اسلامی شرعی حقوق کا بیان نہیں کرتے۔ تو جو ظلم اور زیادتی ہو رہی ہے اس کو ماننا چاہیے' کسی لڑائی کی وجہ سے اپنی غلطیوں پر پردہ نہیں ڈالنا چاہیے۔ بہرحال ان حقوق کی ادائی ہماری دینی ذمہ داری ہے' تو ان حقوق کی ادائیگی میں جہاں جہاں کمی ہے اسے پورا کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کے جو دو فرامین مبارک میں نے شروع میں پڑھے تھے وہ اسی طرف ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ))

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہیں' اور میں تم میں سب سے بڑھ کر اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا))

''عورتوں کے بارے میں میری نصیحت کا خیال رکھنا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب المناقب' باب فضل ازواج النبی ﷺ۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الرضاع' باب الوصیۃ بالنساء۔

(۳) سنن الترمذی' کتاب العلم' باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔

(۴) مسند احمد' مسند الفاروق' دار الحدیث' ج ۱' ص ۲۲۷' ح ۱۴۳۔

(۵) مشکاۃ المصابیح' کتاب الرقاق' باب البکاء' الفصل الثالث۔

(۶) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما قیل فی أولاد المشرکین۔

مفقود الخبر شوہر کی بیوی سے متعلق احکام

(بسلسلہ اسلام میں عورت کا مقام اور میاں بیوی کے باہمی معاملات)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان ☆

مفقود الخبر (لاپتہ) شوہر کی بیوی کی عدت سے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی صریح اور واضح حکم نہیں ہے۔ امام دارقطنی اپنی سنن میں ایک حدیث لائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((امْرَأَةُ الْمَفْقُوْدِ امْرَأَتُهُ حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَان))

''مفقود الخبر کی بیوی اس کی بیوی ہے، جب تک اس کا (پورا) حال معلوم نہ ہو جائے۔''

لیکن یہ حدیث سوار بن مصعب اور محمد بن شرحبیل ہمدانی کے واسطے سے پہنچی ہے، جو کہ مجروح ہیں۔ ابن شرحبیل کے متعلق ابنِ حاتم نے لکھا ہے: انه يروى عن المغيرة مناكيرا بالحيل (وہ مغیرہ سے ایسی باتیں روایت کرتا ہے جو منکر اور جھوٹی ہوتی ہیں)۔ سوار بن مصعب کے بارے میں ابن القطان نے لکھا ہے کہ وہ متروکین رواۃ میں ابنِ شرحبیل سے زیادہ مشہور ہے۔ یوں یہ حدیث ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ علاوہ ازیں اس مسئلے میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ کی آراء میں جو اختلاف ہے، وہ بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات میں سے کسی کو اس حدیث کا علم نہ تھا اور نہ ہی اس وقت کسی اور صحابی کو اس حدیث کی خبر تھی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی اس حدیث سے واقف ہوتا اور ان کبار صحابہؓ کے سامنے پیش کرتا، تو یہ باہمی اختلاف ختم ہو جاتا۔ محمد بن شرحبیل مذکورہ بالا حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، جو کہ عہد خلفائے راشدین کی نمایاں شخصیتوں میں سے ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کو یہ حدیث معلوم ہوتی اور وہ اسے حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نیز دیگر صحابہؓ کے سامنے پیش نہ کرتے اور ان کا فیصلہ اس حدیث کے خلاف ہو جاتا یا ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوتا۔ اس صورتحال کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ مفقود الخبر کے بارے میں کوئی حکم منصوص نہیں، بلکہ اس کا مکمل تعلق فقہی اجتہاد سے ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کی آراء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیبؒ، زہریؒ، نخعیؒ، عطاؒ، مکحول اور شعبی رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ مفقود الخبر (لاپتہ)

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان، گورنمنٹ کالج آف کامرس، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کی بیوی کو چار سال تک انتظار کا حکم دیا جائے۔ امام مالکؒ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے اور امام احمدؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ دوسری طرف حضرت علی ؓ، حضرت ابن مسعود ؓ، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی ؒ نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو اس وقت تک صبر کرنا چاہیے جب تک کہ وہ واپس نہ لوٹے یا اس کی موت کی مکمل تحقیق نہ ہو جائے۔ انتظار کے لیے حنفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ مفقود الخبر شوہر کے ہم عمر لوگ جب تک اس بستی یا اس علاقے میں زندہ ہیں، اس وقت تک اس کی بیوی انتظار کرے۔ پھر مختلف اہل علم نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق انسان کی زیادہ سے زیادہ عمر کا اعتبار کیا ہے کہ ایک انسان زیادہ سے زیادہ جس عمر تک پہنچ سکتا ہے، اس عمر تک مفقود الخبر کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے۔ جیسے اگر کوئی شخص تیس سال کی عمر میں مفقود الخبر ہوا ہو تو اس کی بیوی کو بعض کے نزدیک نوے سال، بعض کے نزدیک ستر سال، بعض کے نزدیک ساٹھ سال، بعض کے نزدیک پچاس سال اور کم از کم چالیس سال تک انتظار کرنا پڑے گا، کیونکہ بقولِ بعض انسان کی طبعی عمر ایک سو بیس سال یا سو سال یا نوے سال یا ستر سال ہے۔ اب اگر شوہر کے لاپتہ ہونے کے وقت بیوی کی عمر بیس سال تھی تو سب سے زیادہ جنہوں نے اس کے ساتھ رعایت کی ہے، ان کے فتوے کے مطابق وہ ساٹھ سال کی عمر تک شوہر کا انتظار کرے، تب اسے نکاح کی اجازت ہے۔ دوسرے فتاویٰ کے مطابق تو یہ امر محال ہی ہے۔

اس مسئلے کے حوالے سے جب ہم قرآن پاک کے اصولی احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو حضرت عمر ؓ اور ان کے متبعین کا مسلک ہی اصح معلوم ہوتا ہے۔ یہی اسلامی قانون کی روح، اس کے عدل، اس کے توازن اور اس کے فطری ہونے سے مطابقت رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں چار بیویوں کی اجازت کے ساتھ سورۃ النساء میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے: ﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (آیت ۱۲۹) ''پس ایک بیوی کی طرف بالکل اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو (بالکل) لٹکتا ہوا چھوڑ دو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کسی عورت کو معلق چھوڑ دینے کی اجازت نہیں دیتا اور جب وہ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کام سے روکتا ہے، تو اس کے مفقود الخبر (لاپتہ) ہونے کی صورت میں کیونکر اسے پسند کر سکتا ہے؟ ایک دوسری جگہ قرآن پاک میں (البقرۃ:۲۲۶) شوہروں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں سے ایلاء کرنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ چار مہینے تک ایسا کر سکتے ہو، اس کے بعد تمہیں بیوی کو گھر میں بسانے یا اسے طلاق دینے کا واضح فیصلہ کرنا ہوگا۔ یہاں بھی اسلامی قانون کی یہی روح اور منشا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی صحبت اور تعلق سے اتنی مدت تک محروم نہ رہے کہ اس کے لیے باعث ضرر اور نقصان ہو یا حدود اللہ سے تجاوز کرنے کا سبب بن جائے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ ربانی: ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾ (آیت ۲۳۱) ''اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت روکو!'' سے مراد صاف طور پر یہ ہے کہ رشتہ ازدواج میں باہمی ضرر اور نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اب ظاہر ہے کہ مفقود الخبر خاوند کی بیوی کو مدت العمر انتظار کرنے کا حکم دینے میں انتہائی درجے کا ضرر اور نقصان ہے۔

مسلک مالکیہ میں مفقود الخبر ہونے کے حوالے سے تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کے احکام جدا ہیں:

(ا) مفقود نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو کہ اس کی بیوی گزر بسر کر سکے۔ اس حال میں حاکم (قاضی) اس کو انتظار کا حکم نہیں دے گا' بلکہ معاملہ کی تحقیق کے بعد بغیر انتظار کے اس کو خود اپنے اختیار سے طلاق دے گا یا اس (بیوی) کو اجازت دے گا کہ وہ اپنے اوپر طلاق وارد کر لے۔ شافعی اور حنبلی مسالک بھی اس مسئلہ میں مالکیہ کی تائید کرتے ہیں' کیونکہ ان کے نزدیک بھی عدم ادائیگی نفقہ خود تفریق زوج کے لیے کافی وجہ ہے۔

(ب) مفقود الخبر شوہر نے مال تو چھوڑا ہے لیکن زوجہ جواں سال ہے اور طویل مدت تک اس کو اکیلا (معلق) چھوڑنے کی صورت میں مبتلائے معصیت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایسی صورت میں حاکم اس کو سال' چھ مہینے یا جس قدر مناسب مدت سمجھے' انتظار کرنے کا حکم دے گا۔ اس حوالے سے حنبلی مسلک بھی مالکی مسلک سے ملتا ہے۔ بعض انتہائی صورتوں میں حنابلہ اور مالکیہ نے بلا انتظار بھی (باہمی) تفریق کو جائز رکھا ہے۔ یہ دیکھنا حاکم (قاضی) کا کام ہے کہ جو عورت مفقود الخبر شوہر کے حوالے سے شکایت لے کر آئی' اس کی عمر کیا ہے' وہ کس ماحول میں رہتی ہے اور دعویٰ دائر کرنے سے پہلے کتنی مدت شوہر کے انتظار میں گزار چکی ہے۔ ان تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے قاضی خود رائے قائم کر سکتا ہے کہ عورت کے اخلاق کی حفاظت کے لیے اس کی مدتِ انتظار میں کتنی تخفیف کرنی چاہیے۔

(ج) مفقود الخبر نان ونفقہ بھی چھوڑ گیا ہے اور زوجہ کے مبتلائے معصیت ہونے کا بھی خوف نہیں۔ اس حوالے سے پھر چار ضمنی حالتیں پیدا ہوتی ہیں:

(i) اگر مفقود الخبر بلادِ اسلام یا ایسے ممالک میں لاپتہ ہوا' جہاں اس کے پتہ چلنے اور ملنے کا امکان ہے' تو اس کی بیوی کو چار سال تک انتظار کرنے کا کہا جائے گا۔ اس عرصے میں اس کا کوئی اتا پتا نہ ملے تو چار سال کی مدت پوری ہونے پر چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزارے گی اور اس کے بعد شرعی لحاظ سے پہلے شوہر کی قید نکاح سے نکل آئے گی' اب وہ آزادانہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالکؒ نے اس حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ایما امراۃ فقدت زوجھا فلم تدر این ھو فانھا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل (موطأ' باب عدۃ التی تفقد زوجھا)

''جس عورت کا شوہر کھو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو ایسی عورت چار سال انتظار کے گزارے' پھر چار مہینے دس دن عدت کے گزارے' پھر حلال ہو جائے۔''

(ii) اگر وہ کسی میدانِ جنگ میں لاپتہ ہوا تو اس کی تلاش کی امکان بھر کوشش کرنے کے بعد زوجہ کو ایک سال انتظار کرنا ہوگا۔

(iii) اگر وہ کسی مقامی بلوے اور فساد میں لاپتہ ہوا ہے' تو فساد ختم ہونے تک اس کی تلاش کی پوری کوشش کی جائے گی اور پھر اس کی بیوی کو انتظار کے بغیر (شوہر کی) وفات کی عدت گزارنے کو کہا جائے گا۔

(iv) اگر وہ کسی ایسے وحشی اور غیر مہذب علاقے / ملک میں کھو گیا ہے، جس کے مہذب دنیا سے تعلقات نہیں ہیں اور نہ ہی وہاں اس کے تلاش کرنے کا امکان ہے، تو پھر اس کی بیوی کو اتنی مدت تک انتظار کرنا پڑے گا جس میں اس شخص کے ہم عمر کے زندہ رہنے کی امید ہے۔

اس مدت کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض ستر، بعض پچھتر اور بعض کے نزدیک یہ اسّی سال تک ہے۔ لیکن اس پر عمل اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ مفقود الخبر نان نفقہ چھوڑ گیا ہو اور اس کی بیوی بھی عمر کے اس حصہ میں ہو جہاں اس کے معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ لاحق نہیں ہوسکتا۔ ان تمام اقوال کی بنیاد اس امر پر ہے کہ شریعت میں اصلح (قرین مصلحت) کو پیش نظر رکھنا زیادہ موزوں ہے، جسے قیاسِ مرسل کہا جاتا ہے۔

علمائے احناف اپنے فتاویٰ میں عموماً مالکی مسلک کی ان شرائط کو نظر انداز کرتے ہیں اور مفقود الخبر کی تمام صورتوں میں ہی چار سال کے انتظار کا فتویٰ دیتے ہیں۔ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ اخلاقی حالت کو بگاڑنے کے بکثرت اسباب پیدا ہو گئے ہیں، ہر مفقود الخبر کی زوجہ کے لیے چار سال کی مدت پر اصرار مصالح شرعیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ فقہائے کرام کو اس پر مزید غور و فکر اور دیگر مسالک کے فتاویٰ کے حوالے سے گنجائش پیدا کرنی چاہیے۔

آج اسلامی معاشرے میں وہ اخلاقی ماحول بالکل باقی نہیں رہا جو کہ اسلام کے ابتدائی دور میں تھا۔ خلافِ شرع کاموں اور باتوں کے رواج نے ان تمام بندشوں سے انسان کو آزاد کر دیا ہے جو کہ شہواتِ نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے اسلام نے لگائی تھیں۔ انٹرنیٹ، آڈیو، ویڈیو، عریاں تصاویر، عشقیہ قصے کہانیاں، ناچ گانے وغیرہ، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن سے مکمل بچنا ہر ایک کے لیے مشکل اور اکثر کے لیے ناممکن ہے۔ پھر پردے کی شرعی حدود کے عملاً گویا معطل ہونے اور غیر محرم مردوں، عورتوں کے آزادانہ میل جول نے شہوانی جذبات کو بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایسے ماحول میں کسی بھی مرد و عورت کے لیے کامل ضبطِ نفس اور پرہیز گاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ایسے حالات میں یہ کہاں تک مناسب ہوگا کہ ایک جوان عورت اپنے مفقود الخبر شوہر کی واپسی کا دو، تین سال انتظار کرنے کے بعد بالآخر عدالت سے رجوع کرے اور وہ پھر اس کو مزید چار سال انتظار کرنے کا حکم دے دے۔ اس سختی میں صرف عورتوں کے لیے ہی ضرر اور مسئلہ نہیں، بلکہ اس کے نقصان دہ نتائج سارے معاشرے میں پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ملکی قانون میں مفقود الخبر سے متعلق مالکی مسلک کی تمام شرائط کو شامل کیا جانا چاہیے اور حتمی حکم جاری کرتے وقت متاثرہ عورت کی عمر، اس کے ماحول اور اس مدت کا مناسب لحاظ بھی کیا جانا چاہیے جس کو حالت انتظار میں گزارنے کے بعد اس نے عدالت سے رجوع کیا ہے۔

مفقود الخبر کی واپسی کی صورت میں حکم

یہ اہم سوال بھی بحث طلب ہے کہ اگر مفقود الخبر شوہر مدتِ انتظار کے بعد واپس آئے، تو پھر اس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں فیصلہ ہے کہ اگر عورت کے نکاحِ ثانی سے پہلے اس کا شوہر واپس آ گیا تو وہ اسی کو ملے گی۔ لیکن اگر عورت نیا نکاح کر چکی ہے تو خواہ دوسرے شوہر کے ساتھ خلوتِ صحیحہ ہوئی ہے یا نہیں ہوئی،

دونوں صورتوں میں پہلے شوہر کا اس پر کوئی حق باقی نہیں رہا۔ مالکی مسلک کا بھی یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ عورت ہر حال میں پہلے شوہر کو واپس ملے گی' خواہ دوسرے شوہر سے صحبت ہو چکی ہو اور بچے تک پیدا ہو گئے ہوں۔ نیز خلوتِ صحیحہ ہو چکنے کی صورت میں دوسرے شوہر سے اس عورت کو مہر بھی دلایا جائے گا۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آخر میں حضرت علیؓ کے اس فیصلے کی طرف رجوع کر لیا تھا' جبکہ امام مالک کے نزدیک حضرت عمرؓ کا رجوع ثابت نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حتمی رائے یہ ہے کہ اگر عورت نکاحِ ثانی کر چکی ہو' اس کے بعد پہلا شوہر واپس آ جائے تو پھر اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تجھے بیوی چاہیے یا مہر؟ اگر اس نے مہر واپس لینے یا معاف کرا لینے کو پسند کیا تو عورت دوسرے شوہر کے پاس ہی رہنے دی جائے گی' لیکن اگر وہ اپنی بیوی کو واپس لینے پر اصرار کرے تو پھر عورت کو اپنے دوسرے شوہر سے جدا ہو کر عدتِ طلاق گزارنی ہوگی۔ اس کے بعد وہ پہلے شوہر کے حوالے کر دی جائے گی اور دوسرے شوہر سے اسے مہر دلا دیا جائے گا۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا ایک قول منقول ہے' جو کہ امام مالکؒ کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا۔

ان تینوں فیصلوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ احسن معلوم ہوتا ہے جس سے امام مالکؒ نے استشہاد کیا ہے۔ اگر عورت کا نکاح ثانی ہونے کے بعد بھی پہلے شوہر کا حق اس پر قائم رہتا ہے' تو بھلا کون ایسی عورت سے نکاح کرے گا؟ دوسرے شوہر کو ہمیشہ یہی کھٹکا اور ڈر لگا رہے گا کہ نجانے کب اس عورت کا پہلا شوہر واپس آ جائے اور نہ صرف عورت اس سے چھن جائے بلکہ اسے مہر بھی دینا پڑے' بچے ہو جانے کی صورت میں اس کی اولاد الگ سے خواہ مخواہ برباد ہو۔ اس قسم کی شرط عائد کرنے میں عورت کے لیے غایت درجے کا ضرر ہے جو شریعت کا منشا نہیں لگتا۔ اس طرح تو گویا اس کی مصیبت ختم نہ ہونے پائے گی اور ساری عمر اس کے پاؤں میں زنجیر پڑی رہے گی۔ (۱)

علمائے احناف نے بھی امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ کی اجازت دی ہے۔ اس ضمن میں صاحب جامع الرموز' صاحب الدر المنتقی اور صاحب ردّ المحتار معروف ہیں۔ علمائے ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ وغیرہ نے بھی دلیل کے ساتھ اس کو تسلیم کیا ہے۔ (۲)

مفقود الخبر (لاپتہ) شوہر کے مسئلے کے حوالے سے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس کی بیوی پہلے اس ضمن میں عدالت میں دعویٰ دائر کرے' اوّلاً شہادت سے ثابت کرے کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے' پھر شہادت سے ثابت کرے کہ وہ اتنے عرصے سے مفقود الخبر ہے' نیز عورت کے نان ونفقہ کا بھی اس کی طرف سے کوئی انتظام نہیں ہے۔ عدالت شہادتوں کی سماعت کے بعد اسے چار سال انتظار کرنے کا حکم دے' اپنے ذرائع سے لاپتہ شوہر کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اب چار سال کے عرصے میں شوہر واپس نہ آئے تو عدالت عورت کا نکاح فسخ (ختم) کر دے۔ اس فیصلے کے بعد عورت (چار ماہ دس دن کی) عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

(باقی صفحہ 71 پر)

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

ایک علمی اور فقہی جائزہ(۵)

مقالہ نگار: پروفیسر حافظ احمد یارؒ

ضمیمہ ج

یہ مقالہ ۵۴۔ ۱۹۵۳ء میں ایم اے اسلامیات کے ایک پرچے کے طور پر امتحانی ضرورت کے ماتحت لکھا گیا تھا۔ آج چالیس برس کے بعد (۱۹۹۳ء میں) شائع کرتے وقت اسے تازہ ترین (up-to-date) کرنے کے لیے بعض وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو معمولی وضاحتیں ہیں جن کو اصل مقالہ میں تعلیقات وحواشی کی شکل میں بھی جگہ دی جاسکتی تھی، لیکن علمی دیانتداری کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ مقالے کو تو (بعض منشیانہ اغلاط کی درستی کے علاوہ) جوں کا توں ہی چھاپا جائے۔ یہ راقم الحروف کے زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے اور اس میں عبارت اور اسلوب کی بعض طالب علمانہ خامیاں موجود ہیں (مثلاً کئی جگہ ضمیر واحد متکلم کا استعمال یا طریق حوالہ میں بعض کوتاہیاں) تاہم ان سے اصل نفس مقالہ پر، اس کے استدلال اور طریق استنباط پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

○ ان معمولی ایک دوسطری وضاحتوں کے علاوہ بعض ایسی اضافی معلومات ہیں جن کا تعلق مقالہ ہی کے کسی حصے سے ہے ـــــ تاہم اس ملحق یا ضمیمہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء سے اب تک یہ مسئلہ (جو موضوع مقالہ ہے) ان مسائل میں شامل رہا ہے جو ہماری دینی اور سیاسی زندگی میں اضطراب اور ہیجان کا باعث رہے ہیں۔ لہٰذا ''تکملہ'' کے طور پر اس مسئلہ کے بارے میں مختلف تبدیلیوں اور تغیرات (developments) کا ذکر بھی ضروری ہے، جو اس عرصے میں سامنے آئیں۔ تفصیل ان وضاحتوں، اضافوں اور تکملہ کی یوں ہے:

○ مقالہ کے مقدمہ میں شعبہ علوم اسلامی (ابتداء میں شعبہ کا سرکاری نام بھی ''اسلامیات'' ہی تھا۔ اس زمانے کے یونیورسٹی کیلنڈر اور ہماری اسناد میں یہی نام درج ہے، بعد میں اس کا انگریزی نام ''اسلامک سٹڈیز'' رکھا گیا جس کا ترجمہ عموماً ''علوم اسلامیہ'' کیا جاتا ہے۔ ویسے ''علوم اسلامی'' زیادہ خالص فارسی ترکیب ہے) کی ''مختصر مگر جامع'' لائبریری کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ شعبہ کا بالکل ابتدائی دور تھا۔ اس کی بنیاد ہمارے قابل صد احترام استاد اور صدر شعبہ علامہ علاؤالدین صدیقی رحمہ اللہ نے ۱۹۵۰ء میں رکھی تھی (جن کو راقم نے مقدمہ مقالہ میں ''مدظلہ'' لکھا ہے اور جن کی وفات دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوئی)۔ اس وقت شعبہ اولڈ کیمپس میں واقع موجودہ ''فائن آرٹس'' کے شعبہ کے دو کمروں میں قائم تھا اور شعبہ کی لائبریری واقعی بہت ''مختصر'' مگر جامع تھی۔ علامہ صاحب کے ذوق انتخاب نے اس

لائبریری کو بڑی وسعت دی۔ ۱۹۶۱ء میں جب شعبہ اولڈ کیمپس میں ہی اپنی نوتعمیر کردہ عمارت میں منتقل ہوا تو یہ لائبریری خاصی بڑی ہو چکی تھی۔ ۱۹۸۷ء سے شعبہ شیخ زاید اسلامک سنٹر (نیو کیمپس) کی شاندار عمارت میں بطور ادارہ (institute) کام کر رہا ہے اور اس کی لائبریری لاہور کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے اور ہمارے استادِ محترم کے ہاتھ کا لگایا ہوا یہ پودا آج ''اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ'' کا ایک مظہر ہے۔

○ مقالہ میں کئی جگہ اسلامی تاریخ کی تیرہ صدیوں یا ساڑھے تیرہ صدیوں کا ذکر آیا ہے' اب ہجری تاریخ کے لحاظ سے ۱۴۱۳ھ ہے۔ مقالہ آج سے چالیس سال پہلے لکھا گیا تھا۔

○ مقالہ میں بعض مقامات کے پرانے (اس زمانے والے) نام لکھے گئے ہیں' مثلاً منٹگمری (جواب ساہیوال کہلاتا ہے) اور کیمبل پور (جواب اٹک ہے)۔ ان مقامات کے نئے نام وہی ہیں جو دراصل انگریزوں سے پہلے ان کے نام تھے۔

○ رسالہ ''طلوعِ اسلام'' کا ذکر مختلف حوالوں سے کراچی سے شائع ہونے والے رسالے کے طور پر آیا ہے۔ غالباً ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ یہ ادارہ ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور میں آ گیا تھا اور یہ رسالہ اب یہاں سے نکلتا ہے۔ اس کے بانی مدیر غلام احمد پرویز صاحب تھے۔

○ ہمارے اس مقالہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صورت مسئلہ پر فقہ حنفی اور فقہ جعفری (سُنّی شیعہ) ہر دو کے موقف' اس کی بنیاد اور ان کے طریق استدلال سے بحث کی گئی ہے۔ اس پر سُنّی شیعہ اختلاف کے ساتھ ساتھ ایسی مثالیں (وراثت کی) بھی پیش کی گئی ہیں جہاں طریق استدلال کے فرق کے باوجود نتیجہ (حل مسئلہ) ایک ہی نکلتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ مقالہ اہل السنت اور اہل تشیع دونوں کو اس مسئلے پر ایک دوسرے کا موقف سمجھنے میں مدد دے گا۔ بلکہ اس سے اس مسئلہ پر اُمّت کے اتفاق اور اجماع کی وجہ بھی معلوم ہو گی۔

○ راقم الحروف نے مقالہ کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر تحقیق کا محرک تو تحصیلدار صاحب والا واقعہ بیان کیا ہے۔ تاہم جب میں مقالہ لکھنے کے لیے اور اپنے ذہن کو آمادہ کرنے کے لیے ابتدائی مطالعہ میں مصروف تھا اور مسئلہ کے ''قدیم پہلو'' (یعنی فقہائے متقدمین کے مطابق صورتِ مسئلہ کے فہم) کو واضح کرنے کی کوشش میں لگا تو مجھے اس کے لیے شیعہ سُنّی ہر دو کی فقہ فرائض کے مطالعہ کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ اپریل ۱۹۵۲ء کے ترجمان القرآن میں مولانا مودودی صاحب مرحوم و مغفور نے یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے کی شرعی حقیقت پر ایک استفسار کے جواب میں یہ لکھ دیا کہ ''..... یہ مسئلہ فقہاء اسلام میں متفقہ چلا آتا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس میں شیعوں کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا..... الخ'' مولانا مرحوم کا یہ لکھنا شیعہ فقہ فرائض سے لاعلمی پر مبنی تھا۔ چنانچہ ان ہی دنوں حافظ کفایت حسین صاحب مجتہد مرحوم نے بذریعہ اخبار مودودی صاحب مرحوم کے اس ''الزام'' کی تردید کی اور بتایا کہ ''شیعہ کے مطابق تو پھوپھی بھی اپنے یتیم بھتیجے کو محجوب کرتی ہے''۔ مقالہ نگار نے اس سلسلے میں حافظ صاحب مرحوم سے ان کے گھر پر ملاقات کر کے ان سے اس مسئلہ پر شیعہ موقف سمجھنے کے لیے اہم کتابیات کی

فہرست بھی لی تھی۔ مقالہ کے حصہ اول خصوصاً باب پنجم ''مقامِ حیرت'' کے مطالعہ سے ساری بات واضح ہوجاتی ہے۔ غالباً اس مسئلہ پر شیعہ سُنّی (بلکہ پوری اُمت کے) موقف کی یکسانیت کا یہ ''بارگراں'' ہی مجتہدین حضرات کے لیے ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔

○ مولانا حافظ اسلم جے راج پوری صاحب کے مقالہ ''محجوب الارث'' کے جون جولائی ۱۹۸۱ء کے رسالہ معارف اعظم گڑھ میں اور پھر ادارہ طلوع اسلام کی کتاب ''تین اہم مسائل'' میں شائع ہونے کا ذکر مقالہ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی اس مسئلہ پر شائع کردہ پبلک آراء (Opinions) میں بھی یہ مقالہ ''ادارہ طلوعِ اسلام'' ہی کے ایک وضاحتی مضمون کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ پھر یہی مقالہ ہفت روزہ ''چٹان'' ۷ اور ۱۴ مارچ ۱۹۵۴ء میں شائع کرایا گیا تھا۔ (یہ اشاعتی حوالے اس لیے دیے گئے ہیں کہ جو حضرات اس مقالے کا مطالعہ کرنا چاہیں ان کو اس کے حصول میں آسانی ہو)۔ جیراجپوری صاحب نے اپنے اس مقالہ میں یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے کے مسئلہ کے علاوہ حنفی فقہ فرائض پر کچھ مزید اعتراضات بھی کیے ہیں (مودودی صاحب مرحوم کی طرح غالباً جیراجپوری صاحب کی نظر بھی جعفری فقہ فرائض پر نہیں تھی؛ جس کا ثبوت ان کا ''دادا کا اپنے پوتے کا وارث بننا'' والی مثال پیش کرتا ہے۔ جو شیعہ کا موقف نہیں ہے)۔ مولانا جیراجپوری صاحب کے اس مقالہ میں جتنا حصہ ''یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ سے'' متعلق تھا اس پر ہم مقالے میں بحث کر چکے ہیں (دیکھئے مقالہ کا دوسرا حصہ باب دوم) باقی مسائل ہمارے لیے غیر متعلق تھے۔ اس لیے ہم ان کی تفصیل میں نہیں گئے تھے۔ البتہ مختصراً ان مسائل میں بعض کلیات کے متصادم ہونے' یا ان کے مختلف مذاہب فقہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہونے کا ذکر کر دیا تھا (دیکھئے مقالہ کے دوسرے حصے میں باب دوم کی فصل اول) مولانا جیراجپوری صاحب کا یہ مقالہ بڑے علمی اور فقہی انداز میں لکھا گیا ہے' لہٰذا اہلِ علم حضرات کے پڑھنے اور غور کرنے کی چیز ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اہلِ علم کس طرح غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں اور کس طرح مغالطے دیتے ہیں۔

○ مقالہ میں ''سید غلام احمد بی اے پلیڈر منٹگمری'' کے مختصر سے پمفلٹ ''یتیم پوتے کا حق وراثت'' کا ذکر آیا ہے۔ کتابیات میں بھی اور ایک دو نکات کی عمدہ وضاحت کے ضمن میں مقالہ کے اندر بطور حوالہ بھی ـــــ بعد میں سید صاحب گوجرانوالہ میں ''سید غلام احمد رضوی ایڈووکیٹ'' کے معروف نام اور لقب سے پریکٹس کرنے لگے۔ انہوں نے محمد اقبال چیمہ صاحب کے مجوزہ ترمیمی بل (جس کا ہمارے مقالہ میں بھی ذکر آیا ہے) کے علاوہ ـــــ اس زمانے میں اس موضوع پر اخبارات میں شائع ہونے والے بعض مضامین (اور خطوط) کے جواب میں بھی مضمون لکھے (جو اخبارات میں بھی چھپتے رہے) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے مولانا اسلم جیراجپوری صاحب کے مقالہ ''محجوب الارث'' میں بیان کردہ تمام مثالوں سے مفصل بحث کی ہے (جن سے ہم نے موضوع مقالہ سے غیر متعلق ہونے کی بناء پر تعرض نہیں کیا تھا) اور ان مثالوں میں پوشیدہ غلط فہمیوں کو واشگاف کیا ہے اور یہ جیراجپوری صاحب کے مقالہ کا نہایت عمدہ قانونی اور فقہی محاسبہ ہے۔ سید غلام احمد صاحب کے یہ جملہ ''مضامین'' اب کتابی شکل

میں اپنے اسی ابتدائی عنوان ''یتیم پوتے کا حق وراثت'' کے ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور نے شائع کر دیے ہیں۔ احقاقِ حق اور طلبِ تحقیق کا تقاضا ہے کہ اہلِ علم ان دونوں رسالوں کا مطالعہ کریں۔ یہ تقابلی مطالعہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوگا اور ان کے مطالعہ کے لیے ہم نے ''اہلِ علم'' کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ یہ دونوں رسائل فنی اور قانونی ہیں' لہٰذا وہ مطلق کسی مڈل میٹرک پاس ''عوامی'' کے پڑھنے کی چیز نہیں ہیں۔ فقہ اور قانون سے واقف آدمی ہی ان دونوں کتابچوں کو پڑھ کر خطا اور صواب میں تمیز کر سکتا ہے۔

○ مقالہ کے دوسرے حصے کے باب سوم میں ''وجوبِ وصیت'' اور ''آیۃ الوصیّۃ'' کے نسخ اور عدم نسخ پر بات کی گئی ہے۔ یہاں اس مضمون کو ایک عملی مثال کے ذریعے سمجھانے کے لیے مندرجہ ذیل معلومات کا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''الفوز الکبیر'' میں نسخ فی القرآن پر بحث کرتے ہوئے السیوطیؒ کی ''الاتقان'' کے حوالے سے لکھا کہ انہوں نے ۲۱ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے تعقبات کیے اور ۱۵۔۱۶ آیات (ناسخ منسوخ) میں تطبیق کی صورت پیدا کر دی اور صرف پانچ آیات کو ''واقعی منسوخ'' قرار دیا۔ ان میں سے ایک یہ آیۃ الوصیّۃ (البقرہ:۱۸۰) بھی ہے۔ ہمارے استاذ مکرم علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم اپنے استاد مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حوالے سے بیان کرتے تھے کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان پانچ آیات میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر دی تھی اور یوں ان کے نزدیک قرآن کریم کی کوئی آیت نسخ کی اصطلاحی تعریف (کسی حکم کا ہمیشہ کے لیے ہر شخص کے لیے ختم ہو جانا) کے لحاظ سے منسوخ نہیں ہے ـــــ مولانا سندھیؒ کہتے تھے کہ ''باقی لوگوں کے لیے یہ آیت منسوخ ہوگی مگر ''عبیداللہ'' پر تو اسی آیت کی رو سے اپنی والدہ کے لیے وصیت کرنا واجب ہے'' ـــــ مولانا ایک سکھ کُنبہ سے مسلمان ہوئے تھے مگر ان کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی والدہ کو بڑے احترام سے ساتھ رکھتے تھے' بلکہ انہوں نے اپنی والدہ کی فرمائش پر مولانا احمد علی لاہوریؒ کو (جو مولانا سندھی کے عزیز اور تلامذہ میں سے بھی تھے) ''ہردوار یاترا'' کے لیے اپنی والدہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ اب چونکہ ان کی والدہ غیر مسلم ہونے کے باعث بیٹے کی وراثت سے حصہ نہیں پا سکتی تھیں' اس لیے مولانا سندھیؒ اس آیت کی رو سے اپنے لیے وصیت برائے والدہ واجب سمجھتے تھے اور بات بھی درست تھی۔

○ اب ہم مقالہ کے تکملہ کے طور پر ان حالات و واقعات اور قانونی اقدامات کا ذکر کریں گے جو ۱۹۵۳ء کے بعد سے اب تک ظہور پذیر ہوئے اور جن کا ''یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ'' سے تعلق ہے۔

ہم اپنے مقالہ میں ۱۸۔۱۹۱۷ء کے امرتسری مباحث' پنجاب میں ۱۹۴۸ء میں قانون شریعت
West Panjab Muslim Personal Law (Shariat) Aplication Act. (Act IX of 1948).
کے نفاذ اور پھر دسمبر ۱۹۵۳ء میں پنجاب اسمبلی میں اس قانون کے اندر ترمیم کے لیے ایک بل (Bill No 8 of 1953) پیش کیے جانے تک کی بحث کر چکے ہیں۔ اب ہم اس سے آگے چلیں گے۔

راقم الحروف اس ''تکملہ'' میں پیش کیے جانے والے مواد کے لیے اپنے تلمیذ عزیز پروفیسر قاری محمد طاہر صاحب فیصل آباد کا ممنون اور شکر گزار ہے' کیونکہ اس کا بیشتر حصہ ان کی زیر طبع کتاب ''مسلم عائلی قوانین کا منظر اور پس منظر'' کے مسودہ سے لیا گیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

○ جیسا کہ ابھی آگے بیان ہوگا ۱۹۵۵ء سے ''یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ'' بھی عائلی قوانین کے ساتھ نتھی کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد سے اس مسئلے کے قانونی حل کی تاریخ پاکستان میں عائلی قوانین کی تاریخ کے ساتھ وابستہ رہی ہے۔ اس لیے اب موضوع بحث عائلی قوانین بھی ہوں گے۔ اگرچہ ویسے عائلی قوانین ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہیں۔ یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ وراثت کا یہ مسئلہ جس کا تعلق اسلام کے قانون وراثت اور وصیت سے تھا اسے نکاح طلاق کے مسائل کے ساتھ کیوں منسلک کیا گیا؟ چوہدری محمد اقبال چیمہ صاحب کی مجوزہ ترمیم کم از کم قانونِ وراثت سے ہی متعلق تھی' یعنی موضوع سے غیر متعلق نہیں تھی' جب کہ ازدواج اور نکاح طلاق کے مسائل میں وراثت کے خاص اس مسئلے کو لے آنا عجیب سا لگتا ہے۔ البتہ صورتِ مسئلہ میں ایک مناسبت ضرور تھی کہ یتیم پوتا بھی ''مظلوم'' اور ازدواجی زندگی کے مسائل کا شکار عورت بھی مظلوم تھی اور ان دونوں موضوعات میں ''مظلومیت'' کا یہ عنصر طالع آزما لوگوں کے لیے جذبات کے استحصال اور اشتعال کا ایک نہایت کارگر حربہ ثابت ہوسکتا تھا (اور ہوا) آخر کمیونزم بھی تو پیچارے محنت کشوں اور ''مظلوم'' مزدوروں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے ہی اٹھا اور چھا گیا تھا اور ستر سال تک ایسا چھایا رہا کہ پھر کسی بھوکے کو رونے بھی نہیں دیا جاتا تھا۔

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا' اب ہم اپنے موضوع یعنی پاکستان میں ''یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ'' پر بحث مباحثہ اور قانون سازی وغیرہ سے متعلق گزشتہ چالیس برس کے واقعات اور اقدامات کا ذکر کریں گے۔

○ ربط مضمون کے لیے بات دسمبر ۱۹۵۳ء سے شروع کرنا مناسب ہے' جس کا کچھ حصہ پہلے مقالہ میں مذکور ہوا تھا ــــ دسمبر ۱۹۵۳ء میں چوہدری محمد اقبال چیمہ صاحب نے پنجاب اسمبلی میں جب اپنا ترمیمی بل (بل نمبر ۸ سال ۱۹۵۳ء) پیش کیا تو اسمبلی نے اس مسئلہ پر صوبہ کے تمام اعلیٰ ججوں' سرکاری محکموں کے سربراہوں' ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن ججوں' سول ججوں' ڈپٹی کمشنروں اور دوسرے ضلعی افسروں' میونسپل کمیٹیوں' ڈسٹرکٹ بورڈوں (جو اب ڈسٹرکٹ کونسل کہلاتے ہیں) پبلک تنظیموں' انجمنوں' اداروں اور دینی مدرسوں کے علاوہ پبلک سے انفرادی آراء بھی طلب کیں۔ یہ آراء (جن کے مقالہ میں حوالے بھی ہیں) ۱۲ صفحہ کے ایک ضمیمہ (Supplement) سمیت کُل ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ایک ''رجسٹر نما'' کتاب کی صورت میں ۱۷ فروری اور ۲۲ فروری ۱۹۵۴ء کو شائع کی گئی تھیں۔ ان آراء کا مطالعہ (جو بعض اردو میں ہیں اور بعض انگریزی میں) اپنے اندر عبرت اور موعظت کا سامان رکھتا ہے۔ ان میں نہایت سنجیدہ اور قابلِ قدر علمی آراء بھی ہیں اور انتہائی جاہلانہ اور بعض ''فدویانہ'' آراء بھی ہیں۔ آج کل یہ مطبوعہ آراء کہیں نہیں مل سکتی ہوں گی (غالباً پنجاب اسمبلی کی لائبریری یا بعض دیگر معیاری لائبریریوں میں موجود ہوں گی) کیونکہ اس پر ''صرف ارکان اسمبلی کے استعمال کے لیے'' لکھا گیا تھا۔ ان آراء کے مطالعہ سے بے اختیار

رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث یاد آتی ہے (جسے ہم نے مقالہ کے شروع —— مقدمہ اور تمہید —— میں بھی بیان کیا ہے) کہ ''إنه أول علم ينزع من أمتي'' (یہی علم سب سے پہلے میری اُمت سے اٹھا لیا جائے گا)—— بہرحال اگر کسی آدمی کو یہ آراء (جن کا پورا سرکاری نام مقالہ کے آخر پر کتابیات میں دیا گیا ہے) مل سکیں تو ہم مولانا اسلم جیراجپوری صاحب کے مقالہ ''مجوب الارث'' اور سید غلام احمد رضوی کے کتابچہ ''یتیم پوتے کا حق وراثت'' کے ساتھ ان پبلک آراء (opinions) کے مطالعہ کو بھی نفسِ موضوع پر مزید مطالعہ (For further reading) کے طور پر پڑھنے کی سفارش کرتے ہیں۔

○ ہمارا خیال ہے کہ کسی بھی متنازعہ اور مختلف فیہ مسئلہ پر محض یکطرفہ مطالعہ نہیں کرنا چاہیے' بلکہ موافق اور مخالف دونوں قسم کا لٹریچر پڑھنا چاہیے: ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (الانفال) ''تا کہ جو ہلاک ہو تو دلیل سے (اتمام حجت کے بعد) ہلاک ہو اور جو جیے تو دلیل سے (حق پہچان کر) جیے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ضرور سب کچھ سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اگر صاف نیت اور طلبِ حق کے ارادے سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

○ بہرحال چیمہ صاحب کا یہ ترمیمی بل اسمبلی سے نہ منظور ہوا اور نہ ہی نامنظور' یعنی یہ پہلا ٹیسٹ غیر فیصلہ (draw) رہا' فریقین کی تیاریاں دھری رہ گئیں اور معاملے کو التواء میں ڈال کر رفع دفع کر دیا گیا۔ اس التواء اور رفع دفع کرنے کے اسباب وعوامل کیا تھے یہ ایک راز ہی رہا۔ غالباً اس زمانے کے ارکانِ پنجاب اسمبلی اس کی وجوہ سے واقف ہوں گے۔ اس بل کے پنجاب اسمبلی میں پیش ہونے سے ''یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ'' اربابِ سیاست کے لیے ایک نیا ''کھلونا'' یا شوشہ (issue) ثابت ہوا۔ اپوزیشن اسے اپنے سیاسی فوائد کے نقطہ نظر سے دیکھنے لگی اور سرکاری بنچ اپنے مفادات اور اپنی برتری کے نقطہ نظر سے —— اب سوال حق و باطل اور خطا وصواب کا نہیں بلکہ ہار اور جیت کا تھا۔

○ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم محمد علی بوگرا صاحب نے اپنی بیوی حمیدہ بانو کے ہوتے ہوئے اپنی ایک عرب نژاد سیکرٹری عالیہ سے شادی کر لی۔ ان کے سیاسی حریفوں کو وزیر اعظم پر تنقید کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ مغرب گزیدہ حلقوں نے بھی مخالفوں کا ساتھ دیا اور لیڈر ٹائپ خواتین کو عورت کی مظلومیت کا رونا رونے کا خوب موقع ملا۔ ان واقعات کے پیشِ نظر حکومت پاکستان نے ۱۴/اگست ۱۹۵۵ء کو ایک ''شادی اور عائلی قوانین کا کمیشن'' مقرر کیا جس کا سرکاری نام تھا: "Commisson on Marriage and Family Laws" اور جسے ہم آئندہ مختصراً ''عائلی کمیشن'' ہی کہیں گے۔ اس کے پہلے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم نامزد ہوئے تھے اور ارکان میں تین مرد اور تین خواتین تھیں۔ مرد اراکین میں ایک عالمِ دین مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم شامل تھے۔

○ اس کمیشن نے ایک سوالنامہ تیار کیا جو اردو، انگریزی اور بنگالی میں شائع کرایا گیا اور دانشوروں، علماء اور عوام سے اس سوالنامہ کی روشنی میں آراء طلب کی گئیں۔ کمیشن نے ۹ موضوعات پر پچاس کے قریب سوالات مرتب کیے تھے۔ ان میں سے باقی سوالات کا تعلق تو نکاح، طلاق وغیرہ سے تھا، ہمارے موضوع سے متعلق اس میں یہ چیز تھی کہ وراثت اور وصیت سے متعلق پانچ سوال بھی اس سوالنامہ میں شامل تھے۔ ان میں سے بھی تین سوالات کا تعلق تو عدالتی طریق کار سے تھا، البتہ دو سوال براہِ راست قانونِ وراثت سے متعلق تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ ''کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ اگر پاکستان کے کسی حصے میں ابھی تک قانونِ وراثت اور وصیت کے بارے میں شرعی قوانین پر عمل نہیں ہو رہا تو بلا تاخیر ایسا قانون وضع کیا جائے کہ اس بارے میں شرعی قوانین ہر حصہ ملک میں نافذ ہوں؟''

معلوم نہیں اس سوال کے جواب میں کمیشن کو کون سی آراء موصول ہوئیں۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے، اسلامی قانونِ وراثت اور قانونِ وصیت کا بیک وقت نفاذ نہ صرف یتامیٰ بلکہ کئی دیگر مستحق غیر وارثوں کے مسائل کا نہایت عمدہ اور ٹھیک اسلامی حل تھا۔ مگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر کمیشن نے اپنی سفارشات میں اس اصل اسلامی ''حل'' پر توجہ ہی نہ دی۔ اس کے عوامل بھی صیغہ راز ہی میں رہے۔

○ کمیشن کے اس سوالنامے میں تیسرا سوال یہ تھا: ''کیا قرآن کریم میں نصِ صریح موجود ہے، یا کسی صحیح حدیث میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ یتیم پوتے یا پوتی یا نواسے یا نواسی کو محروم الارث کر دیا جائے؟''

اس سوال کا تعلق براہِ راست ہمارے زیر بحث مسئلہ سے تھا، مگر اس سوال کی عبارت یا تو اس قسم کی غلط فہمی پر مبنی ہے جس میں ہمارے تحصیلدار صاحب مبتلا تھے (دیکھئے مقالہ کا مقدمہ) اور یا پھر یہ ایک منطقی مغالطہ (fallacy) پر مبنی ہے جسے مناظروں میں فریق ثانی کو زچ کرنے کے لیے اکثر استعمال کیا جاتا ہے اور جس سے بعض دفعہ وکلاء بھی کسی عدالتی اور قانونی چال میں کام لیتے ہیں۔

○ بعض سوالوں کے جواب دوٹوک (categorically) ''ہاں'' یا ''نہیں'' میں (غیر مشروط طور پر) نہیں دیے جاسکتے، ذرا تفصیل درکار ہوتی ہے۔ یہ اس طرح کا سوال ہے جیسے آج کل بعض مے خوار ''مسلمان'' یہ کہتے ہیں کہ کیا قرآن میں کہیں شراب کو صریحاً (وہی نصِ صریح) حرام کہا گیا؟ اسی طرح جو لوگ فہمِ دین کے لیے حدیث یا سنت کی ضرورت کے منکر ہیں ان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ ''کیا قرآن کریم میں کُتے یا بندر (وغیرہ) کے گوشت کی حرمت پر کوئی نص صریح موجود ہے؟'' (جس طرح خنزیر کے بارے میں ہے) اگرچہ یہ حرمتیں صرف قرآن سے بھی ثابت کی جاسکتی ہیں مگر ذرا تفصیل میں جا کر ــــ مندرجہ بالا سوالوں کا دوٹوک جواب دے کر نہیں!

جس طرح ریاضی (الجبرا جیومیٹری وغیرہ) کے مسائل کے ثبوت میں بعض دفعہ ایک مسئلہ ثابت کرتے ہوئے کوئی دوسرا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے، اسی طرح قانونی (فقہی) احکام میں بھی بعض چیزیں براہ راست نہیں بلکہ کسی صریح حکم کے نفاذ یا اس پر عمل کا لازمی نتیجہ اور صریح تقاضا (corollary) ہوتی ہیں۔ ہم مقالہ میں اس پر بحث کر چکے ہیں کہ ''یتیم پوتے کا محجوب الارث ہونا لازمی نتیجہ ہے قرآن کے قانونِ وراثت میں اصولِ نیابت کے بطور

قاعدہ کلیہ کے ناممکن العمل ہونے کا۔'' (دیکھئے اصل مقالہ کا حصہ دوم باب پنجم)

اس قسم کے سوال مرتب کرنے والے (ذہن) کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کا جواب یہ دے کہ ''صریح حکم تو نہیں مگر.....'' تو اسے کہہ دیا جائے ہمیں صرف یہی ''نہیں'' مطلوب تھی باقی ''اگر مگر'' کی ضرورت نہیں (۱)

○ بہرحال اس سوالنامہ کے جوابات موصول ہونے پر کمیشن نے حکومت کو جو سفارشات پیش کیں اس میں کہا گیا تھا کہ ''کمیشن کی رائے میں یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت میں برابر کا حقدار ہے' اس کو اس حق سے ہرگز محروم نہیں کیا جاسکتا۔'' مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے ان سفارشات پر (باقی سفارشات کا تعلق تو نکاح طلاق ازدواج وغیرہ سے تھا) اپنا طویل وضاحتی اختلافی نوٹ لکھا تھا' اس میں اس مسئلہ پر بھی ان کا موقف فقہاء متقدمین والا ہی تھا ـــــ انہوں نے کمیشن کی سفارشات کو من حیث المجموع ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کی عملی تفسیر قرار دیا تھا۔ کمیشن کی اصل رپورٹ کا گزٹ نوٹیفکیشن ۲۰ جون ۱۹۵۶ء کو آیا تھا' جبکہ مولانا تھانوی کے اختلافی نوٹ (جو خاصا طویل تھا) کا گزٹ ۳۰ جون ۱۹۵۶ء کو آیا۔ اس کے چھاپنے میں یہ تاخیر خود حکومت نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر کی تھی۔

عائلی کمیشن کی سفارشات سامنے آئیں تو علماء کی اکثریت اور ان کے تابع اثر عوام کی طرف سے شدید ردِّعمل بھی سامنے آیا۔ حکومت ان سفارشات کو قانوناً نافذ کرنے کی جرات نہ کرسکی (حکومت کا سیاسی عدم استحکام بھی اس کا باعث بنا) اس کی بجائے حکومت نے ٹالنے اور وقت گزارنے کے لیے ایک ''اسلامک لاء کمیشن'' قائم کیا جو عائلی سفارشات کا بھی جائزہ لے گا۔ اس کمیشن کا ابھی شاید ایک آدھ اجلاس ہی ہوا تھا کہ ۷/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل ایوب خان آئین اور جمہوریت کی بساط لپیٹ کر بذریعہ مارشل لاء ملک پر مسلّط ہوگئے۔

○ مارشل لاء کے ابتدائی دنوں میں کمیشن کی سفارشات سے توجہ ہٹ گئی تھی۔ چونکہ آئین ہی منسوخ کردیا گیا تھا لہٰذا یہ سمجھا گیا کہ شاید یہ سفارشات بھی کالعدم ہوگئی ہوں گی۔ تاہم ۱۹۵۹ء میں ''اپوا'' (انجمن بیگمات پاکستان) کی طرف سے عائلی کمیشن کی سفارشات کو عملاً (قانوناً) نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا' جس کی تجدّد پسند حلقوں اور جرائد نے بھی حمایت کی ـــــ ''جابر سلطان'' کے سامنے صنف نازک کا یہ ''کلمۂ حق'' علّت سے خالی نہیں تھا ـــــ ایّوب خاں خود بھی بے دین (secular) ذہن رکھتے تھے اور شاید کمال پاشا کی طرح وہ تجدّد کا تاج بھی اپنے سر پر رکھنا چاہتے تھے۔ بہرحال ''اپوا'' کے اس مطالبے کے پیش نظر ۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو ''مسلم فیملی لاز (عائلی قوانین) آرڈی نینس'' کا صدارتی حکم جاری ہوا' جس میں کمیشن کی سفارشات کو قانونی حیثیت دے دی گئی۔ اس کا پورا سرکاری نام Muslim Family Laws Ordinance (VIII of 1961) ہے۔ بعض انتظامی امور کی وجہ سے اس کا نفاذ موخر کردیا گیا۔ بالآخر آرڈیننس کا عملاً نفاذ ۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء سے ہوا۔ اس وقت سے اب تک یہ قوانین پاکستان میں جاری چلے آتے ہیں۔

اس آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۴ میں یتیم پوتے کی وراثت کا قانون حسبِ ذیل الفاظ میں بیان ہوا ہے:

***4. Succession**- In the event of the death of any son or daughter*

of the propositus before the opening of succession, the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stirpes receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received, if alive.

جس کا اردو ترجمہ (جو عدالتوں اور وکلاء کے لیے سند ہے) یوں کیا گیا ہے:

''وراثت کے اجراء (شروع ہونے) سے قبل مورث کے کسی بیٹے یا بیٹی کی موت کی صورت میں ایسے بیٹے یا بیٹی کی اولاد اگر ہو، جو وراثت شروع ہونے پر زندہ ہوں بحصہ رسدی (علی النسب) اس حصہ کے برابر پائیں گے جو ایسا بیٹا یا بیٹی اگر زندہ ہوتے تو پاتے۔''

ہم اس دفعہ کے الفاظ کے انتخاب، ان کے قانونی مضمرات اور اس قانون کی قرآن سے موافقت یا اس کی مخالفت وغیرہ پر آگے چل کر تبصرہ کریں گے۔ پہلے ذرا ہم اس مسئلہ کی (بلکہ قانون کی) سیاسی تاریخ کو مکمل کر لینا چاہتے ہیں۔

○ عائلی کمیشن کی سفارشات کو اس طرح بذریعہ آرڈی نینس نافذ کرنے پر بھی دو طرح کا ردعمل سامنے آیا۔ تجدد پسند طبقوں نے اس کی تائید اور حمایت کی۔ ان میں بعض علماء اور وکلاء کے علاوہ ''اپوا'' اور ادارہ طلوع اسلام پیش پیش تھے۔ طلوع اسلام نے تو اسے اپنی عظیم فتح سمجھا اور اس فتح کے نشے میں ۲ مارچ ۱۹۶۱ء (آرڈیننس کے اجراء کی تاریخ) کو اسلام کی تاریخ کا ''نوروز'' تک قرار دیا اور اپریل ۱۹۶۱ء میں ادارہ نے اپنے کنونشن کو اس خوشی کے جشن کے طور پر منایا۔ اس پر صدر ایوب خان کو ہدیۂ تبریک پیش کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ چودہ سو سال کے بعد اُمت نے پہلی دفعہ قرآن کی طرف رجوع کیا ہے۔ نیز دعویٰ کیا گیا کہ ''عائلی قوانین کی کوئی ایک شق بھی قرآن کے خلاف نہیں ہے''۔ (باقی عائلی قوانین تو ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہیں، مگر یتیم پوتے والی دفعہ نمبر ۴ کی قرآنیت پر اور اس سلسلے میں ادارہ طلوع اسلام کے کئی بار اپنے موقف کو بدلنے پر ہم آگے ذرا تفصیل سے لکھیں گے۔) حکومت میں شامل سیاستدانوں نے تو اس کی تعریف کرنی ہی تھی ـــــ ان قوانین کے نفاذ کو صدر ایوب خان مرحوم کا عظیم اسلامی اور انقلابی کارنامہ قرار دیا گیا۔ دوسری طرف آرڈی نینس کے اجراء اور اس کے نفاذ کی درمیانی مدت میں ہی علماء نے اس پر شدید تنقید کی، جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی (جو عائلی کمیشن کے نامزد رکن رہے تھے) کے اختلافی نوٹ کی صدائے بازگشت بھی سنی گئی۔ پنجاب کے چودہ (۱۴) علماء کے ایک بورڈ نے (جس میں بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث اور شیعہ چاروں مکتبِ فکر کے علماء شامل تھے) متفقہ طور پر آرڈی نینس کی دفعات نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، اور ۱۲ کو خلافِ شریعت قرار دیا (ان میں سے دفعہ نمبر ۴ ہی یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق تھی، باقی دفعات کا ہماری بحث سے تعلق نہیں)۔ اس کے بعد سرحد کے چالیس (۴۰) علماء اور مشرقی پاکستان کے چوراسی (۸۴) علماء نے بھی ان قوانین کے خلاف بھرپور احتجاج کیا۔ بعض تنظیموں (مثلاً جماعت اسلامی) اور ممتاز اہلِ علم (مثلاً مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم، کراچی) نے اپنی طرف سے متبادل اصلاحی تجاویز بھی حکومت کو پیش کی تھیں (جو یتیم پوتے کے مسئلہ

کے ٹھیک اسلامی حل کو بھی محیط تھیں)۔ مگر حکومت نے بعض جابرانہ اقدامات (مثلاً پریس آرڈی نینس کا اجراء) اور اعلانات کا راستہ اختیار کیا۔

○ مگر اس سے عائلی قوانین کے خلاف ملک کے اندر اٹھنے والی اضطرابی لہر سیاستدانوں کے لیے ''بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' والی بات ثابت ہوئی۔ انہوں نے اس مسئلہ کی گونج اسمبلیوں تک پہنچادی۔

۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان صوبائی اسمبلی میں عائلی قوانین کی تنسیخ کے بارے میں ایک قرارداد پیش ہوئی جس کے محرک رکن صوبائی اسمبلی مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم تھے۔ اس کے بعد اس سال پاکستان کی قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں عائلی قوانین کی تنسیخ کا بل مشرقی پاکستان کے رکن اسمبلی عباس علی خان کی طرف سے پیش کیا گیا۔ اس پر ایک دفعہ پھر ملک کے طول وعرض میں اضطرابی لہر دوڑ گئی۔ تقریر اور تحریر کے علاوہ مظاہروں کا سہارا بھی لیا گیا (مثلاً ''اپوا'' کے زیر اہتمام ۴ جولائی ۱۹۶۲ء کو اسمبلی کے سامنے خواتین کا اس مجوزہ بل کے خلاف مظاہرہ) یہ بل موافقت اور مخالفت کی بھرپور بحث اور تقریروں کے بعد رائے شماری کے نتیجے میں ۴/اکتوبر ۱۹۶۲ء کو نامنظور ہوگیا۔

○ بل تو نامنظور ہوا مگر اس نے موافق مخالف جذبات میں خوب شدّت پیدا کی' جس کے نتائج ۱۹۶۴ء میں ہونے والے عام انتخابات پر بھی اثر انداز ہوئے۔ ان انتخابات میں متحدہ حزبِ اختلاف نے برسرِاقتدار آنے کی صورت میں عائلی قوانین کی تنسیخ کو بھی اپنے منشور میں شامل کرلیا۔ مسئلے کے سیاسی اثرات اور سرکاری اقدامات کے حوالے سے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جنرل ایوب خان مرحوم کو غالباً عوامی ردِعمل اور اسمبلی کے اندر اور باہر عائلی قوانین کی شدید مخالفت اور ردِّعمل میں اپنا سیاسی مستقبل مخدوش نظر آیا تو انہوں نے اپنے سابقہ جابرانہ موقف سے کچھ پسپائی اختیار کی اور اعلان کیا کہ ''یہ قوانین نہ وحی آسمانی ہیں نہ حرفِ آخر۔ قومی نمائندے اگر چاہیں تو ان قوانین کو کثرتِ آراء سے منسوخ کر سکتے ہیں''۔۔۔۔ پھر جب ۱۹۶۴ء کے عام انتخابات میں حزب اختلاف نے عائلی قوانین کی تنسیخ کو اپنے منشور میں شامل کر کے اسے اپنی انتخابی مہم میں ایک کارگر حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہا تو حکومت کی طرف سے بھی یہ تاثر دیا گیا کہ ''مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جائے گا' جس کے ذریعے عائلی قوانین کی ان تمام دفعات کو جو اسلام سے متصادم ہیں' کالعدم قرار دیا جائے گا''۔۔۔۔ تاہم حکومت کی یہ پسپائی وقتی اور سیاسی ہی تھی' الیکشن کے بعد عائلی قوانین جوں کے توں رہے۔

۱۹۶۴ء کے بعد ان قوانین پر بحث میں وہ گرما گرمی نہ رہی' جس کی ایک وجہ غالباً ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ بھی تھی' جس نے بعض نئے موضوعات کو جنم دیا' جن کے سامنے یہ مسئلہ دب گیا۔ تاہم ۱۹۶۸ء میں جب صدر ایوب خان کے خلاف غم وغصہ کی لہر اٹھی اور سیاستدانوں نے عوام کے جذبات کو خوب بھڑکایا' تو حکومت کے خلاف اس تحریک میں دوسرے عوامل کے علاوہ ''حکومت کے دامن پر عائلی قوانین کا الزام'' بھی شامل تھا۔ جس کا اظہار تحریک کے دوران مختلف جلسوں میں سیاستدانوں کی طرف سے تقاریر میں کیا گیا۔ اگرچہ خود یہ سیاستدان اس مسئلے کے بارے میں مخلص نہ تھے' بلکہ وہ تو ''روٹی' کپڑا اور مکان'' کے نعرے کی طرح' اسے بھی صرف ایک کارڈ کے طور

پر استعمال کر رہے تھے‘ تاہم شاید یہ کہنا نرا غلط بھی نہیں ہوگا کہ پاکستان کی سیاسی زندگی میں جنرل ایوب خاں مرحوم جیسے آمر کی مضبوط حکومت کے زوال میں عائلی قوانین کا بھی دخل ضرور تھا۔

○ صدر ایوب خان والے آئین کے مطابق یکم اگست ۱۹۶۳ء کو ’’اسلامی مشاورتی کونسل‘‘ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کونسل کے پہلے صدر جسٹس ابو صالح محمد اکرم تھے۔ ان کے بعد علامہ علاؤ الدّین صدیقی‘ جسٹس حمود الرحمٰن‘ جسٹس محمد افضل چیمہ اور جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب یکے بعد دیگرے اس کے چیئر مین نامزد کیے گئے۔ ۱۹۷۳ء کے بھٹو مرحوم والے آئین کے تحت اس کونسل کا نام ’’اسلامی نظریاتی کونسل‘‘ کر دیا گیا‘ جس کے صدر ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ مقرر ہوئے تھے۔ اس کونسل (یا کونسلوں) کے اغراض و مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ’’وہ حکومت کو ان اسلامی امور سے متعلق مشورہ دے گی یا راہنمائی کرے گی جو حکومت کی طرف سے پوچھے جائیں گے۔‘‘

○ حکومت کی مذکورہ بالا پسپائی یا سیاسی لچک کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ عائلی قوانین کے بارے میں (جن میں یتیم پوتے کی وراثت کا زیر بحث مسئلہ بھی شامل تھا) حکومت کے ایماء پر کونسل نے اکتوبر ۱۹۶۴ء سے علامہ علاؤ الدین صدیقی کی زیر صدارت غور وخوض شروع کیا‘ جو مارچ ۱۹۶۷ء تک جاری رہا اور دسمبر ۱۹۶۷ء میں کونسل نے اپنی سفارشات حکومت کو بھجوا دیں۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۶۹ء میں (جب صدر ایوب خان کے خلاف تحریک شروع ہو گئی تھی) وزارت قانون کی طرف سے صدر پاکستان کے ایماء پر کونسل کو دوبارہ ہدایت کی گئی کہ وہ عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ جس کا تعلق یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ سے ہے) اور دفعہ نمبر ۶ جو مسئلہ تعدّدِ ازدواج سے متعلق ہے) پر دوبارہ غور کر کے رائے دے۔ کونسل نے اس سلسلے میں کارروائی مکمل کر کے ستمبر ۱۹۶۹ء میں اپنا جواب حکومت کو بھجوا دیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان (دونوں دفعہ کی) سفارشات میں کونسل نے خاص یتیم پوتے کی وراثت والی دفعہ (نمبر ۴) کے معاملے میں کیا موقف اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد تقریباً دس سال (جس میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا دور بھی شامل تھا) اس مسئلے پر مکمل خاموشی رہی اور کسی مزید پیش رفت کے بغیر عائلی قوانین نافذ رہے۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق صاحب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر ملک پر مارشل لاء کے ذریعے مسلّط ہو گئے۔ انہوں نے اگرچہ ملکی آئین کو روند ڈالا اور بعد میں ترامیم کے ذریعے اسے مسخ بھی کر دیا‘ تاہم انہوں نے ایوب خان اور یحییٰ خان کی طرح آئین مطلقاً منسوخ نہیں کیا اور بہت سے آئینی ادارے کام کرتے رہے۔ ان اداروں میں سے ایک ’’اسلامی نظریاتی کونسل‘‘ بھی تھی۔

۱۵ نومبر ۱۹۷۸ء کو جنرل ضیاء الحق نے بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ تمام عائلی قوانین (جس میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بھی شامل تھا) کا از سرِ نو جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرے۔ اس حکم نامہ کے مطابق کونسل نے ۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء سے ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء تک غور وخوض کرنے کے بعد اپنی سفارشات ۳۰/ اپریل ۱۹۷۹ء کو حکومت کو پیش کر دیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس دفعہ کونسل کی سفارشات کیا تھیں اور خصوصاً عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ (جس کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے) کے بارے میں کونسل نے کیا موقف اختیار کیا ـــــ لیکن اس عرصے میں ایک عجیب وغریب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

کونسل کی سفارشات وصول ہونے کے بعد وزارت قانون نے اپنے مراسلہ نمبر ۷۹/۲۲۸۹ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۸۰ء کے ذریعے یہ سخت فیصلہ سنا دیا (یا سفارش کر دی) کہ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء تمام کے تمام قرآن وسُنّت کے منافی ہیں' لہٰذا ان کو مکمل طور پر منسوخ کر دینا چاہیے۔ مراسلہ کی عبارت یوں ہے:

The Muslim Family Laws Ordinance of 1961 is utterly un-Islamic. It is against the Holy Quran and Sunnah. It has dared to amend the Quranic Law to the extent of IRTIDAD and its existence is a Slur, a Blot on the religion, the name of Islam and our Islamic Country. Such a legislation or even its name need not be protected. Let us clean this blot altogather by its total Repeal...

یعنی ''مسلم عائلی قوانین تمام کے تمام غیر اسلامی ہیں' یہ کتاب وسنت کے منافی ہیں۔ ان کے ذریعے ارتداد کی حد تک قرآنی قوانین میں ترمیم کی جسارت کی گئی ہے اور ان قوانین کا وجود مذہب اسلام اور ہمارے اسلامی ملک کے دامن پر ایک داغ اور (اسلام کے شفاف چہرے پر) ایک سیاہ دھبہ ہیں۔ ان قوانین کا نام ونشان بھی مٹا دینا چاہیے اور ان کو کالعدم منسوخ کر کے اس داغ کو صاف کر دینا چاہیے۔''

○ وزارتِ قانون کے اس مراسلہ پر اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ کراچی (۱۷' ۱۸ جون ۱۹۸۰ء) میں غور کیا اور یہ قرارداد منظور کی۔

''اگرچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے قبل ازیں مسلم عائلی قوانین میں ترامیم تجویز کی تھیں' مگر وزارتِ امور مذہبی اور وزارتِ قانون دونوں کا خیال ہے کہ اس قانون کو سرے سے ختم کر دیا جائے۔ کونسل کو اس اقدام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تاہم کونسل کے تین اراکین بشمول خاتون رکن اس قانون کو مکمل طور پر ختم کرنے کی تجویز سے متفق نہیں ہیں اور وہ کونسل کی تجویز کردہ ترامیم کے حق میں ہیں۔''

ہمیں معلوم نہیں کہ کونسل نے عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ (جو یتیم پوتے پوتی کی وراثت سے متعلق ہے) میں بھی کوئی ترمیم تجویز کی تھی یا نہیں اور اگر کی تھی تو وہ کس نوعیت کی تھی ـــــ تاہم کونسل نے جب وزارت قانون اور وزارت مذہبی امور کے مذکورہ بالا فیصلے سے اتفاق کر لیا تو اس کے بعد کونسل کی اپنی ترمیمی تجاویز کی ویسے بھی کچھ حیثیت باقی نہ رہی۔

○ اس کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۸۱ء کو کونسل نے از خود یہ سفارش پیش کی کہ ''مسلم پرسنل لاء (عائلی قوانین) کو بھی وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار (سماعت) میں شامل کر دیا جانا چاہیے' کیونکہ کونسل کی سابقہ سفارشات پر بھی عملدرآمد نہیں ہو سکا (اور وزارتِ قانون کی سفارش یا فیصلے کو بھی نافذ یا قبول نہیں کیا گیا تھا) اگر یہ قوانین اس عدالت کے دائرہ اختیار میں دے دیے جائیں تو عدالتی فیصلوں کا نفاذ لازمی ہوگا''۔ کونسل کی طرف سے یہ سفارش ۲۶ ستمبر ۱۹۸۱ء کو وزارت امور مذہبی کے توسّط سے صدر مملکت کو بھیجی گئی۔

اس سفارش کے بعد وزارت امور مذہبی نے کونسل کو مطلع کیا کہ ''مسلم پرسنل لاء کو وفاقی شرعی عدالت کے

دائرہ اختیار سماعت میں لانے کی تجویز پر کابینہ کے اجلاس منعقدہ ۱۵ مارچ ۱۹۸۲ء میں غور کیا گیا' لیکن کابینہ نے کونسل کی اس سفارش کو منظور نہیں کیا۔''

○ اس طرح ایک مارشل لاء کے نافذ کردہ اور دوسرے مارشل لاء کے تحفظ دادہ یہ قوانین جوں کے توں نافذ رہے اور آج تک نافذ ہیں۔ اگرچہ اس کے بعد بھی بعض دینی حلقوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً ان قوانین کو منسوخ کرنے یا کم از کم ان کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں لانے کا مطالبہ کیا جاتا رہا[۲] لیکن جنرل ضیاء الحق صاحب نے پہلے جرنیلوں اور غیر جرنیل حکمرانوں کی نسبت مزید پکّا کام کر دیا۔ یعنی عائلی قوانین کو آئینی تحفظ دے دیا کہ اب آئین میں ترمیم کیے بغیر ان کے بارے میں کوئی مطالبات تسلیم نہیں کیے جاسکتے۔

○ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تعجب انگیز بلکہ ناقابل فہم سی بات یہ ہے کہ جب وزارتِ قانون نے ۱۵ جنوری ۱۹۸۰ء کو ان قوانین کو ارتداد کی حد تک قرآن میں تحریف' خلاف کتاب وسُنّت اور اسلام کے روشن چہرے پر ایک سیاہ دھبّہ قرار دے دیا تھا تو سرکاری سطح پر اس فیصلے کے باوجود ان قوانین کو کالعدم کیوں نہ کر دیا گیا؟ جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل بھی اس فیصلہ پر صاد کر چکی تھی۔ ان عوامل ومحرکات کا کچھ پتہ نہیں چلتا جو آخری مرحلے پر مانع ثابت ہوئے۔ حالانکہ بظاہر جنرل ضیاء الحق کے دور میں یہ کام بآسانی سرانجام پاسکتا تھا' یا کم از کم نظریاتی کونسل کی ترامیم ہی قبول کی جاسکتی تھیں۔ ایسا کیوں نہ ہوا؟

○ اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے چیئرمین جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب نے اس پر یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت غالباً خواتین کے ایک طبقہ کی طرف سے مخالفت کے اندیشہ کے پیش نظر مسلم عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء (جن کی دفعہ نمبر ۴ یتیم پوتے سے متعلق ہے) کے بارے میں کونسل یا وزارتِ قانون کی سفارشات پر عمل پیرا نہ ہوسکی۔''

پروفیسر قاری محمد طاہر صاحب کا خیال ہے کہ ''جنرل صاحب اتنے کمزور اعصاب کے آدمی نہیں تھے اور حالات پر بھی ان کی مضبوط گرفت تھی۔ ان کے اس قانون کو ختم نہ کرنے کا محرک صرف ایک ہی تھا' یعنی وزارت قانون اور بعض دیگر حکومتی حلقوں کا انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ ـــــ اور ہر بات میں حکومت وقت کی ہاں میں ہاں ملانے کی مذموم روش ـــــ عائلی قوانین ۱۹۶۱ء میں نافذ ہوئے۔ ان کے نفاذ کے وقت اور اس کے بعد بھی حکومتی حلقوں کی طرف سے ان قوانین کے حق میں دلائل دیے جاتے رہے اور ان قوانین کو اسلام کے موافق اور پاکستانی قوم کے انتہائی مفاد میں قرار دیا گیا۔ سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اخبارات اور جرائد نے ان قوانین کو حکومت کا بہت بڑا اسلامی اور انقلابی کارنامہ بنا کر پیش کیا۔ بعض علماء بھی حکومت کے اس اقدام پر تحسین آمیز تقاریر کرتے رہے اور مضامین لکھتے رہے ـــــ لیکن جنرل ضیاء الحق کی حکومت میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا۔ وہی وزارتِ قانون جس کے وزیر نے ۱۹۶۱ء میں ان قوانین کے (صدارتی حکم کے تحت) اجراء کا اعلان کیا تھا' اسی وزارت نے ۱۹۸۰ء میں ان قوانین کو ارتداد کی حد تک اسلام' قرآن اور سنت کے مخالف قرار دے دیا ـــــ آخر ایسا کیوں ہوا؟

○ اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ یہ لوگ ''بینگن'' کی بجائے ''صاحب'' کے غلام ثابت ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں جنرل

ایوب خان برسر اقتدار تھے اور وہ ان قوانین کو اسلامی سمجھتے تھے (یا ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی تھی) اور وہ ان قوانین کو نافذ کرنا چاہتے تھے تو اقتدار کی ساری ایجنسیاں ان کے حق میں راگ الاپنے لگیں۔ ۱۹۸۰ء میں اقتدار جنرل ضیاء الحق کے پاس تھا۔ ان کے ارکانِ اسلام کے ساتھ محبت کے مظاہر، علماء کی قدردانی کی پالیسی اور اسلامی نظام کے نفاذ کے جذبے کا اظہار ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ لہٰذا اب حکومتی اداروں نے بھی وہی روپ دھار لیا۔ اور ''جو تھا نا خوب بتدریج ـــــ بلکہ اچانک ہی ـــــ وہی خوب ہوا!'' ـــــ غالباً جرنیل صاحب اس ''نکص علی اعقاب'' یا Right about turn سے چڑ گئے، یا محتاط ہو گئے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض علماء کی تضاد بیانی اور حسبِ موقع اپنا موقف بدل لینا بھی اس کا سبب بنا ہو، جس کی اس زمانے میں مثالیں ملتی ہیں۔

تاہم جنرل ضیاء الحق کا ان قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے بھی دائرہ اختیار سے باہر رکھ کر ان کو آئینی تحفظ دلانے کی کوئی توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔ کیا وہ بھی اپنے اوپر ''بنیاد پرستی'' کا الزام نہیں لینا چاہتے تھے؟ کیا وہ اپنی ذات یا اپنی حکومت کے بعض ظاہری اور باطنی تضادات کے دباؤ کا شکار تھے؟

کیا ان کو اپنی ہی قائم کردہ وفاقی شرعی عدالت پر اعتماد نہیں تھا؟ اور اسی لیے انہوں نے عائلی قوانین کے علاوہ بعض اور چیزیں (مثلاً مالی امور) بھی اس عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھے تھے۔

ان سوالوں کا جواب تو اب ''واللہ اعلم بالصواب'' ہی ہے۔ کیونکہ نیتوں کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ البتہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح آدمی بھی بڑی حد تک اپنی عادتوں اور حرکتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ: مفقود الخبر شوہر کی بیوی سے متعلق احکام

اور اگر عدالت یہ محسوس کرے کہ اندریں حالات مزید چار سال کے انتظار کی ضرورت نہیں، تو عورت کی شہادتوں کے بعد وہ فوری طور پر فسخ نکاح بھی کرسکتی ہے۔ عدالت کے سامنے شہادتیں پیش کرنا اور عدالت کے فیصلے کے بعد عدت گزارنا بہرحال شرط لازم ہے، اس کے بغیر عورت کا دوسری جگہ مسنون عقد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مفقود الخبر شوہر کی طرف سے جب تک طلاق نہ ہو یا بذریعہ عدالت اس کا نکاح ختم (فسخ) نہ ہو یا پھر اس کی موت کی تصدیق نہ ہوجائے، کتنی بھی مدت گزرنے کے باوجود وہ نکاح قائم رہتا ہے اور زوجہ خود دوسرا عقد نہیں کرسکتی۔ (۳)

حواشی

(۱) حقوق الزوجین از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص ۸۸ تا ۹۴، بار دوم، طبع ۱۹۴۳ء، دارالاسلام، پٹھان کوٹ، گورداسپور، انڈیا

(۲) اسلام کا نظامِ عفت و عصمت از مولانا محمد ظفیر الدین، ص ۲۷۵ تا ۲۷۶، طبع ۱۹۵۴ء، مکتبہ نذیریہ، اچھرہ، لاہور

(۳) آپ کے مسائل اور ان کا حل از مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ص ۱۴۳ تا ۱۴۵، ج ۵، طبع ۱۹۸۸ء، مکتبہ لدھیانوی، بنوری ٹاؤن، کراچی

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : چالی حدیثاں (پنجابی)

مولف وشارح : پروفیسر سید شبیر حسین شاہ

ضخامت: 704 صفحات قیمت: 1500 روپے

ملنے کا پتہ : گوشہ محققین، ننکانہ صاحب

سید شبیر حسین زاہد عالمِ دین ہیں۔ انہیں تحقیق کے ساتھ دلچسپی ہے۔ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ مبلّغ، محقق، خطیب، مصنف اور شاعر ہیں۔ ان کے بعض شناسا انہیں نابغہ عصر شخصیت قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے کہ چالیس احادیث یاد کرنے اور ان پر عمل کرنے والوں کو ابدی زندگی میں علماء کے زمرے میں اٹھایا جائے گا۔ ہر زمانے میں بعض علمائے دین نے چالیس چالیس احادیث کے مجموعے مرتب کیے ہیں اور ہر ایک نے احادیث کا انتخاب اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے۔ اربعین کے مجموعے شائع کرنے والوں میں شاہ صاحب کا نام بھی درج ہو گیا ہے اور وہ بھی اجر پانے والے ہیں۔

مصنف نے احادیث کا عربی متن بھی لکھا ہے، پھر ان کا ترجمہ پنجابی زبان میں کر دیا ہے۔ متعلقہ حدیث کی تشریح میں قرآنی آیات اور دوسری احادیث بھی درج کی ہیں۔ تشریح کرتے وقت حدیث کے عنوان سے متعلقہ کافی معلومات بھی درج کی ہیں۔ مثلاً جس حدیث میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے، وہاں سلام کرنے کے مسنون الفاظ بتائے گئے ہیں۔ سلام کی اہمیت اور حاصل ہونے والے فوائد، جن حالات میں سلام نہ کرنے کی ہدایت، غیر مسلم سلام کریں تو ان کو کیسے جواب دیا جائے، یہ ساری باتیں بتادی گئی ہیں۔ حدیث کی تشریح میں انہوں نے جابجا تائیدی اشعار درج کیے ہیں۔ بیشتر اشعار ان کے طبع زاد ہیں۔

مصنف احادیث کی روشنی میں اسلامی معاشرے کی اصلاح کا جذبہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اسی جذبے کے تحت بڑی چھوٹی ایک درجن سے زیادہ کتب لکھی ہیں۔ مصنف نے کتاب میں تائیدی احادیث بھی لکھی ہیں اور کچھ کا حوالہ دیا ہے۔ کتاب کے اخیر میں مآخذ اور مصادر کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی ادب سے متعلق لکھی جانے والی کُتب میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

(باقی صفحہ 22 پر ملاحظہ کیجیے!)

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah Al-An'am

(The Cattle)

(Recap of verses 91 – 110 of Surah Al-An'am and fresh exposition of verses 111 – 129 of the same Surah, inclusive)

Translator's note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

Recap of verses 91 – 110 (inclusive) of Surah 6, Al-An'am

The first section of these verses of Surah al-An'am (verses 91 and 92) starts by rebuking those Jews who denied the revelation sent by Allah *(SWT)* unto Prophet Muhammad *(SAAW)* and made absurd remarks about the Qur'an and the Holy Prophet *(SAAW)*. The Jews were bent upon denying the Prophethood of Muhammad *(SAAW)*, and this fanaticism had come to dominate them so much that they went so far as to deny the very institution of Prophethood. Furthermore, the verse states that people have not formed any proper estimate of Allah *(SWT)* which means that they have erred grossly in assessing His *(SWT)* Wisdom and Power. Allah *(SWT)* commands His Prophet *(SAAW)* to declare to the Jews that if what you say is true that Allah *(SWT)* did not reveal any Book to any human being, then who revealed the Torah to Prophet Moses *(AS)*, which you believe in as a true guidance for people and which you copied in different sheets in order to disclose or conceal divine decrees according to your own desires. Allah *(SWT)* then commands His Messenger *(SAAW)* to give them the answer to their question as to who sent this Qur'an and the previous Scriptures, and say that it is Allah *(SWT)* who sent all divine revelations. The Holy Prophet *(SAAW)* is then told to let them wander in their ignorance and misguidance until the Day when their scores will be settled (The Day of Judgement). The next verse in this section (verse 92) affirms that Allah *(SWT)* revealed this blessed Qur'an unto His *(SWT)* Prophet, Muhammad *(SAAW)*, as He *(SWT)* sent Scriptures to Prophets *(AS)* before him *(SAAW)*, and this Qur'an confirms what was revealed in them. This Qur'an has been termed as a *Mubaarak*(blessed) book for all of mankind. In this verse, the Holy city of Makkah has been called *Umm Al-Qura*, which means the root or foundation of all towns. The verse makes reference to the fact that Allah *(SWT)* sent the Holy Qur'an to warn the people of Makkah particularly, and then to the whole world generally. The verse also alludes to the fact that those who believe in Allah *(SWT)* and the Last Day, and also believe in this glorious Qur'an are on the right path. This is an admonition particularly to the Jews and the idolaters, that they will only be guided further in their faith if they believe in this Book (The Quran). The point argued in the

previous verse was that Allah's *(SWT)* Word can be, and in the past has been, revealed to human beings. The next point is that the message of Prophet Muhammad *(SAAW)* is indeed the revealed Word of Allah *(SWT)*. In order to establish this, four things are adduced as evidence: First, this Book is overflowing with Allah's *(SWT)* grace and beneficence. Second, this Book does not propound any guidance which is essentially divergent from that previously revealed; rather it confirms and supports it. Third, the purpose of the revelation of this Book is the same as that of the revelation of Scriptures in the past, viz., to shake people out of their heedlessness and warn them of the evil consequences of their corruption. Fourth, the call of this Book does not attract those who merely worshipped worldly advantages and are slaves of their animal desires. On the contrary, it attracted those whose vision goes beyond the narrow limits of worldly life. Moreover, the revolution brought in the lives of people under the influence of this Book has rendered them conspicuously distinct from others in respect of piety and godliness. A Book with such characteristics and with such a wholesome impact on human beings can only be from Allah *(SWT)*.

The next section of the Surah (verses 93 and 94) starts by declaring that the most unjust person in the sight of Allah *(SWT)* is the one who lies about Him *(SWT)* and falsely claims that he has received revelation from Him *(SWT)* i.e. he has been sent as a prophet and claims that he can reveal something similar to what Allah *(SWT)* has revealed. These verses describe the condition of such unjust people at the time of death and on the Day of Resurrection. At the time when death approaches any of them he suffers from the afflictions and agonies of death. The angels will beat him and grab his soul out of his body. They will convey him the news of severe torment and punishment that he will suffer because of the lies he used to utter against Allah *(SWT)* and the refusal to follow His *(SWT)* Messengers *(AS)*. The verses further elucidate that every single soul will be resurrected on the Day of Resurrection as he was created in the first place i.e. without the wealth and money that he used to collect in his limited life in the world, for then, the only thing that will matter for

the son of Adam *(AS)* will be the good deeds that he has sent forth for himself. Likewise, the disbelievers will not find any helper or protector that they used to invoke and worship other than Allah *(SWT)*. Then it will be said to them that all your bonds and ties in relation to the world have been cut off and all your false ideas and assumptions about the false saviours and intercessors have failed you.

The next section of the Surah (Verses 95 through 101) describes some of the signs through which every sensible person can recognize the power and knowledge of Allah *(SWT)*. The section starts by stating that it is only Allah *(SWT)* who splits the seed grain and a fruit-stone e.g. a date-stone, then brings out from it a plant that eventually grows into a full green tree. In a nutshell, the One *(SWT)* who causes the seed-grain to split open under the surface of the earth and then makes it grow and appear on the surface as a plant is no other than Allah *(SWT)*. In simple words, to 'bring forth the living from the dead' means creating living beings out of dead matter. Likewise, 'to bring out the dead from the living' means to remove the lifeless elements from a living organism. It is declared that all these things are done by Allah *(SWT)* alone, yet the disbelievers stray from the truth and associate partners with Him *(SWT)*. It is then established that Allah *(SWT)* has created the Day and the Night, the Light and the Darkness, all for a particular cause. He *(SWT)* tears the dark layer of the night and brings the morning out. Similarly, He *(SWT)* covers the day with darkness to bring the night, a time of comfort and peace for every living being. Moreover, Allah *(SWT)* has appointed the sun and the moon in a particular measure as a blessing for His *(SWT)* servants, through which they can easily calculate the years and months according to the solar or lunar calendars. All this is done by none other than Allah *(SWT)*, Who *(SWT)* has the knowledge of everything and He *(SWT)* does whatever He *(SWT)* Wills. Allah *(SWT)* has made His *(SWT)* signs and revelations clear and simple for mankind to observe and recognize the truth that it is only He *(SWT)* Who *(SWT)* is the Creator *(SWT)* of the stars and the galaxies that we see around us. Only those who observe the phenomena of the universe in a careful and systematic manner, and do so with a correct perspective, can truly benefit from these signs.

Furthermore, it is stated that Allah *(SWT)* has created man from a single soul, the Prophet Adam *(AS)*. If one were to observe carefully the creation of the human species, its division into male and female, the proliferation of the human race by procreation, the passing of life through its several stages in the womb of the mother from conception to childbirth, one would perceive innumerable signs to help one grasp the truth mentioned above. But only those who make proper use of their intellect can be led by means of these signs to an understanding of the Reality. Therefore, human beings ought to open their eyes and understand Allah's *(SWT)* revelations which He *(SWT)* has explained very clearly and in simple terms. The section then alludes to the fact that Allah *(SWT)* sends down rain as a blessing and provision for His *(SWT)* servants, with which He *(SWT)* produces different kinds of vegetation, plants, trees and gardens on the land as a means of survival for His *(SWT)* creatures. Likewise, it is He *(SWT)* Who *(SWT)* makes grow different varieties of seeds and precious fruits like grapes and dates hanging in clusters and within reach. All these are signs for those who have sound minds, for they are compelled to concede that the Causer *(SWT)* and the Creator *(SWT)* of all these things is not a human being or any other 'deity', but Allah *(SWT)* alone. It is Allah *(SWT)* who has created everything, including the invisible beings like *Jinns*, yet some people associate the *Jinns* as partners with Him *(SWT)* and worship them, despite the fact that only Allah *(SWT)* is worthy of worship. Because of man's imaginativeness and superstitious disposition, he has often held other invisible beings to be associated with Allah *(SWT)* in His *(SWT)* governance of the universe and in making and marring man's destiny. For example, the deity of rain, and the deity of vegetation, the god of wealth and the god of health, and so on. Such beliefs are found among all the polytheistic nations of the world. Furthermore, this section of verses censures those who falsely attribute sons and daughters to Allah *(SWT)*, such as the Christians did with Jesus *(AS)*, some Jews with Ezra *(AS)* and the Pagan Arabs with the Angels *(AS)* whom they claimed to be Allah's *(SWT)* daughters. A severe admonishment is then given to the idolaters who falsely attribute sons and daughters to Allah *(SWT)* for what they falsely attribute to Allah *(SWT)*.

The next section of the Surah (verses 102 through 104) affirms that all things have been created by Allah *(SWT)* alone, yet the disbelievers stray from the truth and associate partners with Him *(SWT)*. But the reality is that there is none worthy of worship besides Him *(SWT)*, therefore, all human beings ought to worship Him *(SWT)* alone. It concludes by proclaiming that Allah *(SWT)* is the Guardian over everything and the Disposer of all affairs. It is stated unequivocally that no eye in the whole universe can encompass His *(SWT)* Being *(SWT)* in this life, while it is our belief that Allah *(SWT)* will be seen on the Day of Resurrection by His *(SWT)* believing servants. On the other hand, Allah's *(SWT)* vision encompasses the whole universe, for not even the minutest particle is hidden from Him *(SWT)*. It is asserted that Allah *(SWT)* is above all (physical) comprehension and well aware of everything. It is also elucidated that the evidences and the sources through which one can acquire The Truth have already been revealed to mankind from Allah *(SWT)*. Therefore, whoever uses these means to find The Truth becomes blessed (as a believer) for his own good, while those who ignore these means and elect to remain blind from The Truth will be the losers (as disbelievers, infidels, polytheists and hell-bound). In conclusion, it is proclaimed that the Holy Prophet *(SAAW)* is not responsible for anyone's deeds, instead he *(SAAW)* has only been sent to convey Allah's *(SWT)* message to mankind. This signifies that the task of the Holy Prophet *(SAAW)* is to carry the light of true guidance to others, it is then up to them to either use it to perceive Reality for themselves or to keep their eyes closed. The Prophet *(SAAW)* is not required to compel those who deliberately keep their eyes shut, to open them, forcing them to see what they do not wish to see.

The next section of the Surah (verses 105 through 107) commences by elucidating that Allah *(SWT)* has expounded His *(SWT)* revelations and presented His *(SWT)* signs in various ways so that the concepts of *Tawhid* (Oneness of Allah *SWT*) and the Prophethood of Muhammad *(SAAW)* are made extremely clear and simple for people to comprehend. Yet the idolaters and disbelievers who are bent upon denying The Truth say that this Qur'an is not from Allah *(SWT)*, instead they invented a falsehood by stating that Muhammad *(SAAW)* had 'learned' this (Qur'an) from the People of the Book

(Jews and Christians) and others who had been given revelation before them. The import of the statement is that the Book of Allah *(SWT)* has become a touchstone, which helps mark off the true from the false. These include the sort of people who, once they have come to know the teachings of the Book of Allah *(SWT)*, try in earnest to reflect on its substance and seek to benefit from the wisdom and admonition it contains. Thus, the fact of the matter is that Allah *(SWT)* has presented His *(SWT)* signs in various forms and only those who are sensible and wise are able to grasp the matter, as Allah *(SWT)* Wills. Allah *(SWT)* commands His *(SWT)* Prophet *(SAAW)* to keep following what has been revealed to him *(SAAW)* and continue to preach Allah's *(SWT)* message, i.e., 'There is none worthy of worship except Allah *(SWT)*'. Furthermore, He *(SWT)* instructs His *(SWT)* Messenger *(SAAW)* not to be too concerned about the idolaters and disbelievers who deny him *(SAAW)*. The Holy Prophet *(SAAW)* is told not to grieve over the fact that the idolaters and the disbelievers do not accept his *(SAAW)* call and states that had Allah *(SWT)* Willed, He *(SWT)* would have made the whole humanity as Muslims in faith and then they would never had associated any partners with Him *(SWT)*. But He *(SWT)* has given the freedom of choice to man to distinguish between right and wrong and for those among humans (and *Jinns*) who reject that what is right, He *(SWT)* has decreed the tormenting punishment of the Hellfire. In a nutshell,the Prophet *(SAAW)* is only required to preach the Truth and try to call people to embrace it. His *(SAAW)* responsibility ends at that for he *(SAAW)* is, after all, not their warden. His *(SAAW)* task is to present this guidance and spare no effort in elucidating the Truth. Anyone who still rejects it does so on his own responsibility.

These last verses in this section of the Surah (verses 108 through 110) elaborate that Allah *(SWT)* makes the evil deeds of these idolaters seem good (fair) to them because they in their self-obsession think that, their own ideas are right, just like He *(SWT)* made fair seeming to the previous nations the idolatry and misguidance they indulged in. Here we should bear in mind that Allah *(SWT)* declares those things which take place as a result of the operation of the laws of nature to be His *(SWT)* own acts, for it is He *(SWT)* Who *(SWT)* has made those

laws. Whatever outcomes occur from the operation of those laws, therefore, result from His *(SWT)* command. Whenever Allah *(SWT)* states that a certain act was His *(SWT)*, the same is taken by humans as occurring in the natural course of things. It is enunciated that on the Day of Resurrection He *(SWT)* will certainly show them all their evil deeds that they used to indulge in their earthly life. The chieftains of Quraysh used to demand to the Holy Prophet *(SAAW)* that they be shown a miracle, only then they would accept that he *(SAAW)* is a Messenger *(SAAW)* of Allah *(SWT)* and that they would embrace Islam. Allah's *(SWT)* reply to them is that all signs and miracles are in the power of Allah *(SWT)* alone. If He *(SWT)* Wills, He *(SWT)* can show them the miracles, yet the fact of the matter is that the disbelievers only ask for signs and miracles in their defiance and stubbornness and not out of any desire for guidance, because they already know that Muhammad *(SAAW)* is Allah's *(SWT)* Messenger *(SAAW)* and what the Holy Prophet *(SAAW)* has been sent with is The Truth. Therefore, even if their requests are granted and they are shown signs and miracles, they still will not become believers (Muslims) and will reject those as they have been rejecting in the past. It is then declared that the Sunnah of Allah *(SWT)* is that whenever someone shows a constant hostile attitude towards His *(SWT)* Message or His *(SWT)* Messengers *(AS)*, even after knowing that it is The Truth, the result is that, the heart of such a sinner is hardened and his eyes are sealed (the rational faculties are no longer able to discern Truth from Falsehood), so that he indulges in evil and wickedness and there remains no hope or refuge for him. This shows that they still suffer from the same mentality which had made them reject the call of the Holy Prophet *(SAAW)* at the outset.

==========

Expositionof verses111 - 129of Surah Al-An'am

Verse 111

لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝

"And even if We had sent downto them the angels [with the message] and the dead spoke to them [of it] and We gathered together every [created] thing in front of them, they would not believe unless Allah should will. But most of them, [of that], are ignorant."

This verse clearly elucidates from the onset that the denial of the disbelievers is not based on any misunderstanding or 'ignorance', rather, this disease is due to their stubbornness and arrogance which cannot be cured by showing miracles. Therefore, even if they are shown signs like angels sent to them or the dead talking to them, they would not believe, unless Allah *(SWT)* wanted otherwise.

The people under discussion are so perverse that they do not prefer to embrace the Truth in preference to falsehood by exercising their choice and volition rightly. The only way that is left for them to become lovers of the Truth is, therefore, that by His *(SWT)* Omnipotent Will Allah *(SWT)* should render them truth-loving not by their choice and volition, but by metamorphosing their very nature. Such a course, however, goes against the scheme which underlies the creation of man. Hence it is futile to expect Allah *(SWT)* to intervene in the matter and to force those people to believe by the exercise of His *(SWT)* will.

It is to be noted that "ignorance" mentioned at the end of the translation of this verse does not imply 'lack of information', rather it denotes 'the lack of understanding the ominous consequences of defying The Truth'.

Verse 112

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

"And thus We have made for every prophet an enemy devils from mankind and jinn, inspiring to one another decorative speech in delusion. But if your Lord had willed, they would nothave done it, so leave them and that which they invent."

In this verse the Holy Prophet *(SAAW)* has been comforted that the hostility and defiance of his *(SAAW)* enemies is nothing surprising,

for Allah *(SWT)*, in His *(SWT)* infinite wisdom, also made enemies for the previous Prophets *(AS)*, who opposed them and rebelled against them, therefore, he *(SAAW)* ought not to be distraught by this fact.

The verse also indicates that the Prophets *(AS)* have enemies amongst the Jinn as they have amongst the mankind, whispering unto one another with seductive discourses of deception.

Then Allah *(SWT)* declares that if He *(SWT)* had willed, the devils among mankind and the Jinn would not have any authority to plot against His *(SWT)* Messengers *(AS)*, but it is from His *(SWT)* decree and perfect Wisdom that every Prophet *(AS)* had enemies from them.

'Decorative Speech' used in the verse signifies all the trickery and manoeuvring to which the enemy resorts, all his efforts aimed at sowing doubts about Islam and undermining people's faith in it, so as to arouse them against both the Holy Prophet *(SAAW)* and his *(SAAW)* message. The weapons of 'delusion' being used by the opponents of the truth seem to be beneficial and successful but it is so apparently only. These neither harm the truth nor benefit the opponents of the truth.

Furthermore, we should always bear in mind that, according to the Qur'an, there is a tremendous difference between 'Allah's *(SWT)* will' and 'Allah's *(SWT)* good pleasure'. The failure to differentiate between the two often gives rise to serious misconceptions. If a certain thing takes place in accord with the universal Will of Allah *(SWT)*, and thus by His *(SWT)* sanction, that does not necessarily mean that Allah *(SWT)* is pleased with it. Nothing at all takes place in the world unless Allah *(SWT)* permits it to take place, unless He *(SWT)* makes it a part of His *(SWT)* scheme, and unless He *(SWT)* makes it possible for that event to take place by creating its necessary conditions. The act of stealing on the part of a thief, the act of homicide on the part of a murderer, the wrong and corruption of the wrong-doer and the corrupt, the unbelief of the unbeliever and the polytheism of the polytheist – none of these are possible without the Will of Allah *(SWT)*. Likewise, the faith of the believer and the piety of the pious are inconceivable without the

Will of Allah *(SWT)*. In short, both these require the Will of Allah *(SWT)*. But whereas the things in the first category do not please Him *(SWT)*, those in the second do.

Even though the Will of Allah *(SWT)* is oriented to ultimate good, the course of the realization of that good is paved with conflict between the forces of light and darkness, of good and evil, of what is sound and pure on the one hand and what is corrupt and defiled on the other. With larger interests in view, Allah *(SWT)* has endowed man with the disposition of obedience as well as of disobedience. He has created in man 'Abrahamic' and 'Mosaic' as well as 'Nimrodic' and 'Pharaonic' potentialities. Both the pure, unadulterated human nature and the satanic urges are ingrained in man's being and have been provided with the opportunity to work themselves out by coming into conflict with each other. He *(SWT)* has granted those species of His *(SWT)* creatures who enjoy a certain degree of authority (viz. man and jinn) the freedom to choose between good and evil. Whosoever chooses to act righteously has been given the power to do so, and the same is the case with him who chooses to be evil. People of both categories are in a position to use material resources within the framework of the broader considerations underlying Allah's *(SWT)* governance of His *(SWT)* universe. Allah *(SWT)* will be pleased, however, only with those who are working for good. Allah *(SWT)* likes His *(SWT)* creatures to exercise their freedom of choice properly and commit themselves to good of their own volition.

Unlike the angels, who carry out Allah's *(SWT)* commands without resistance from any quarter, the task entrusted to men is to strive to establish the way of life sanctioned by Allah *(SWT)* in the face of opposition and hostility from evil-doers and rebels against Him *(SWT)*. In the framework of His universal Will, Allah *(SWT)* allows even those who have chosen the path of rebellion to strive for the realization of their goals, even as He *(SWT)* grants the believers every opportunity to strive along the path of obedience and service to Him *(SWT)*. Despite this granting of freedom and choice to all there is no doubt that Allah *(SWT)* is pleased with, and guides, directs, supports and strengthens the believers alone because their

overall direction is to His *(SWT)* liking. Nevertheless, they should not expect that by His *(SWT)* supernatural intervention Allah *(SWT)* will either force those who are disinclined to believe into believing or that He *(SWT)* will forcibly remove the satanic forces – among both men and jinn - who are resolved to spare neither their mental and physical energy nor their material resources to impede the triumph of the Truth. Those determined to strive in the cause of the Truth, and of virtue and righteousness are told that they must prove their earnest devotion by waging a fierce struggle against the devotees of falsehood. For had Allah *(SWT)* wanted to use miracles to obliterate falsehood and usher in the reign of the Truth, He *(SWT)* would not have required human beings to accomplish the task. He *(SWT)* could have simply seen to it that no evil one remained in the world, leaving no possibility for polytheism and unbelief to exist.

The verse ends by asking the Holy Prophet *(SAAW)* to observe patience and bear with the lies that they invent, for Allah *(SWT)* will certainly suffice him *(SAAW)* and help him *(SAAW)* against all enemies.

Verse 113

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝

"And [it is] so thehearts of those who disbelieve in the Hereafter will incline toward it [i.e., deceptive speech] and that they will be satisfied with it and that they will commit that which they are committing."

In context of the previous verse, in which Allah *(SWT)* says that if He *(SWT)* had willed, the devils would not show hostility towards His *(SWT)* message and His *(SWT)* Messengers *(AS)*, this verse elaborates and qualifies that this is done in order to distinguish the righteous believers from those who lack zeal. Another reason for this process of polarization is so that the hearts of those who do not believe in the life after death will be inclined towards the lies and fabrications of these devils that they listen to and are overcome by their deceit. Furthermore, they like and remain pleased with the evil speech of the enemies of the Prophets *(AS)*. Therefore, the verse commands the Holy

Prophet *(SAAW)* to let them take the devious ride and see what they gain from it, for the end of evil must be a tormenting punishment.

Verse114

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

"[Say], "Then is it other than Allah I should seek as judge while it is He who has revealed to you the Book [i.e., the Qur'an] explained in detail?" And those to whom We [previously] gave the Scripture know that it is sent down from your Lord in truth, so never be among the doubters".

In this verse, Allah *(SWT)* commands His *(SWT)* Prophet *(SAAW)* to shun the disbelievers by asking them rhetorically that should he *(SAAW)* look for any other judge than Allah *(SWT)* even after His *(SWT)* decision to reveal this miraculous Qur'an to him *(SAAW)*, which elucidates and decrees in clear terms the right path for all mankind to come. The middle section of the verse refers to the Jews and the Christians who knew from the knowledge of their Scriptures that Prophet Muhammad *(SAAW)* is the Last Messenger *(SAAW)* of Allah *(SWT)* and that the message he *(SAAW)* brought is the Truth, yet they concealed the Truth from their people because of their jealousy and arrogance. Though this verse is addressed to the Prophet*(SAAW)* in terms of words but in reality the purpose is to make others hear it, for the Prophet *(SAAW)* was never one of those who were in doubt, nor could he*(SAAW)* be. Thus it means that with all these clear proofs, no one should doubt in the truth of Allah's *(SWT)* message or His *(SWT)* Messengers *(AS)*.

The implied speaker in the final section of this verse is the Prophet *(SAAW)* and the words are addressed to the Muslims. The purpose of the sentence is to impress upon the Muslims that Allah *(SWT)* has elucidated the relevant truths, and has also proclaimed that in their endeavour to make the Truth prevail they will have to follow the path of striving and struggle. The devotees of the Truth should, therefore, resort to those means which human beings normally employ for the

successful achievement of their objectives rather than wait for any supernatural intervention that would enable them to achieve their mission without struggle and sacrifice. Moreover, Allah *(SWT)* Himself *(SWT)* has decreed that human effort rather than supernatural intervention should lead to the prevalence of the Truth, despite the fact that He *(SWT)* has the absolute power to change this basic fact and bring about the victory of the Truth without any resort to human effort and sacrifice.

It must be noted that the Qur'an is not a mere philosophical concoction designed to explain away the current problems. All those versed in the Scriptures, and possessing true understanding of the mission of the Prophets *(AS)*, will confirm that everything in the Qur'an is perfectly true and in fact constitutes that eternal Truth which cannot suffer any change or modification.

Verse 115

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"And the word of your Lord has been fulfilled in truth and in justice. None can alter His words, and He is the Hearing, the Knowing."

In this verse the Holy Qur'an has been identified as the zenith of Truth and Justice i.e. all events, conditions, promises and warnings mentioned in it are true and correct. Secondly, it states that none can change Allah's *(SWT)* Word, for His *(SWT)* Word is pristinely pure and far beyond any such possibilities. He *(SWT)* hears and knows everything that His *(SWT)* servants are doing.

Verse 116

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

"And if you obey most of those upon the earth, they will mislead you from the way of Allah. They follow not except assumption, and they are not but falsifying."

This verse indicates that majority of the people living on earth are in error. This is because at most times the misguided majority overwhelms an individual and he ends up following it. But Allah

(SWT) has commanded Muslims [by addressing the Prophet *(SAAW)*] not to be impressed by the majority, as they are a people who have gone astray. Thus the verse commands Muslims [by addressing the Prophet *(SAAW)*] not to follow those who have gone astray, as they will lead the believers away from the straight path, too. This verse also points out the fact that majority is not a criterion for truth and guidance, thus falsifying the notion of popular sovereignty as it currently is embedded in the so called 'modern democratic nations'. In their terms every law can be legislated or rejected by popular vote, even if it is the divine law. On the other hand, it is the belief of a Muslim that sovereignty belongs only to Allah *(SWT)* and none has the authority to abandon the law decreed by Allah *(SWT)*, even if it is by a popular vote. The verse declares that the disbelievers do not have any knowledge; therefore, they follow only their opinions and preach only falsehood.

One need not follow the way of life of the majority, for the majority tend to follow their conjectures and fancies rather than sound knowledge. Their beliefs, their ideas and concepts, their philosophies of life, the guiding principles of their conduct, their laws – all these are founded on conjecture. On the contrary, the way of life which pleases Allah *(SWT)*, was revealed by Him *(SWT)* and hence is based on true knowledge rather than conjecture. Instead of trying to discover the way of life of the majority, a seeker after truth should, therefore, persevere in the way prescribed by Allah *(SWT)*, even if he finds himself to be a solitary traveller.

Verse 117

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

"Indeed, your Lord is most knowing of who strays from His way, and He is most knowing of the [rightly] guided".

The message of this verse is self-explanatory. Allah *(SWT)* is Omniscient, Omnipresent and Omnipotent. He *(SWT)*, therefore knows exactly those who are unbelievers (or will become unbelievers) and those who are true believers (or will become true believers).

Verse 118

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝

"So eat of that [meat] upon which the name of Allah has been mentioned, if you are believers in His verses [i.e., revealed law"].

The Pagan Arabs used to eat dead animals and eat what was slaughtered for the idols. They tried to put Muslims in doubt by saying to them that why did they not eat of the animals killed by Allah *(SWT)* i.e. died a natural death, while they eat of what they killed themselves i.e. by slaughtering. But Allah *(SWT)* revealed this verse and showed the Muslims the difference between carrion and an animal slaughtered properly. Thus commanding them to eat only that animal (provided that it is a creature that is Halal/Permitted and not Haram/Prohibited as food) on which Allah's *(SWT)* name is invoked i.e. while slaughtering it.

When seen from a broader perspective we find that on the one hand, many nations have imposed on themselves superfluous religious taboos, which include a variety of dietary restrictions, while on the other hand, they have declared lawful many of the things which Allah *(SWT)* has forbidden. Some people have even gone so far as to consider eating animals slaughtered in the name of Allah *(SWT)* as unlawful, while those slaughtered with no mention of Allah's *(SWT)* name may be eaten. Allah *(SWT)* repudiates this and urges the Muslims – if they really believe in Him *(SWT)* and obey His *(SWT)* injunctions – to smash the superstitious and prejudiced notions contrived by human beings in disregard of Allah's *(SWT)* revealed guidance, and to recognize as unlawful all that Allah *(SWT)* has declared to be unlawful, and as lawful all that Allah *(SWT)* has declared to be lawful.

Verse 119

لَكُمْ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝

"And why should you not eat of that upon which the name of Allah has been mentioned while He has explained in detail to you what He has forbidden you, excepting that to which you are compelled. And indeed do many lead [others] astray through their [own] inclinations without knowledge. Indeed, your Lord– He is most knowing of the transgressors."

In this verse the Muslims are told to obey the commandments of Allah *(SWT)* and stick to the code revealed by Him *(SWT)*, as He *(SWT)* has manifestly told what is permitted to eat and what is forbidden. Therefore, Muslims are required to abide by these prescribed laws and eat only that on which Allah's *(SWT)* name has been invoked and have no doubt about anything which He *(SWT)* has permitted.

The exception mentioned in the verse is that in the case of extreme helplessness, for in this case it is allowed to eat whatever is available, with neither having desire for it nor taking more than needed for survival.

The verse ends by referring to the disbelievers who in their ignorance or arrogance follow their lusts and false desires such as slaughtering animals that are prohibited as food or those that are permitted as food without invoking the name of Allah's *(SWT)* at the moment of slaughter, thus consuming carrion. Allah *(SWT)* declares that He *(SWT)* is fully aware of those who transgress the bounds of what has been decreed as right.

Verse 120

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝

"And leave [i.e., desist from] what is apparent of sin and what is concealed thereof. Indeed, those who earn [blame for] sin will be punished for that which they used to commit."

In this verse, Allah *(SWT)* commands His *(SWT)* servants to abstain from all kinds of sins whether committed openly or in secret. However, even after having knowledge of Allah's *(SWT)* Will, those who persist in sins will surely be punished for their evil deeds in the Hereafter by the torment of the Hellfire.

Verse 121

لَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾

"And do not eat of that upon which the name of Allah has not been mentioned, for indeed, it is grave disobedience. And indeed do the devils inspire their allies [among men] to dispute with you. And if you were to obey them, indeed, you would be associators [of others with Him] ."

This verse indicates that the meat of an animal on which Allah's *(SWT)* name is not invoked even if it is slaughtered by a Muslim or that which has been invoked upon with a name other than that of Allah *(SWT)* is not permissible to eat as it is one of the cardinal sins and a blatant disobedience to Him *(SWT)*. Such an animal, even if slaughtered in an Islamic manner shall fall under the injunction of a dead animal with the consensus of Muslim jurists. Some Muslims jurists are of the opinion that the meat of an animal upon which the name of Allah *(SWT)* was missed inadvertently, while slaughtering, is allowed to be consumed. However, all jurist agree that if it is missed deliberately then it is not permissible to eat.

The premise of this verse is built on the argument mentioned in verse 118 of the Surah that the disbelievers tried to dispute with the Muslims to create doubt in their minds when they said to them that how come you do not eat the animal which is killed by Allah *(SWT)* i.e. died a natural death, but you eat which you slaughter yourselves? Allah *(SWT)* says that these disbelievers, in fact, want to make lawful to eat that which had been made unlawful by Him *(SWT)* and are using a false argument for that purpose. Therefore, Muslims are told not to be deceived into doubt, otherwise, their actions would be similar to those of disbelievers, who ascribe divinity to others than Allah *(SWT)*.

To acknowledge the Lordship of Allah *(SWT)*, yet to follow at the same time the orders and ways of those who have turned away from

Him *(SWT)*, amounts to associating others with Allah *(SWT)* in His *(SWT)* divinity. True belief in the unity of Allah *(SWT)* consists in orienting one's entire life to the obedience and service of Allah *(SWT)*. Those who believe that any other being besides Allah *(SWT)* is to be acknowledged in principle as having an independent claim on man's unreserved obedience should know that such acknowledgement amounts to associating others with Allah *(SWT)* in His *(SWT)* divinity at the level of belief. On the other hand, if they actually do obey those who, in sheer disregard of Allah's *(SWT)* guidance and injunctions, arrogate to themselves the right to declare according to their whims certain things to be lawful and others to be unlawful, and to bid and forbid people as they please, this amounts to associating others with Allah *(SWT)* in His *(SWT)* divinity at the level of action.

Verse 122

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾

"And is one who was dead and We gave him life and made for him light by which to walk among the people like one who is in darkness, never to emerge therefrom? Thus it has been made pleasing to the disbelievers that which they were doing."

Note:

Iman (faith) covers belief in Oneness of Allah *(SWT)*, on all the prophets *(AS)* Divine revelations and the angels. (Al- Baqarah: 285-286)

In this verse Allah *(SWT)* gives a similitude in which a person who believes in this Qur'an and the Prophet *(SAAW)* of Islam is identified as alive, whereas those who refuse to believe in them are referred to as dead. In other words we can say that alive is the one who puts his faith in Allah *(SWT)* and His *(SWT)* Messenger *(SAAW)* and follows the Divine revelation. On the other hand we are told that, in terms of fulfilling the purpose of life, the person who does not follow the Divine revelation deserves to be called dead. This verse also states that Allah *(SWT)* gives light to those who are alive (believers) and darkness to those who are dead (disbelievers). The

light mentioned here is the Qur'an and darkness is Kufr (disbelief). Whoever Allah *(SWT)* gives light can see things, both far and near, with its help and he carries this light with him wherever he moves about among people. But the one who does not have access to this light remains in the darkness of ignorance and deviation. He has no idea of what lies ahead in the eternal life, nor can he comprehend how beneficial or harmful it can be.

It must be noted that, 'death' signifies here the state of ignorance and lack of consciousness, whereas 'life' denotes the state of knowledge and true cognition, the state of awareness of Reality. He, who cannot distinguish between right and wrong, and does not know the Straight Way for human life, may be alive on the biological plane, but his essential humanity is not. He may be a living animal but is certainly not a living human being. A living human being is one who can distinguish right from wrong, good from evil, honesty from dishonesty.

The Law of Allah *(SWT)* for those who willingly refuse offer of light and intentionally discard the invitation to the right path results in as follows:

a. As they begin cherishing darkness they proceed to enjoy groping, stumbling and falling on crooked path.
b. They start preferring cacti for orchards, thorns for roses and find delight in acts of evil and corruption.
c. They hope to achieve success with renewed means of corruption to balance the previous failures.

The verse concludes by declaring that the ignorance and misguidance of the disbelievers seems fair to them and the whims and desires of such people present their evil deeds before their eyes as nice and beautiful.

Verse 123

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ جَعَلْنَا وَكَذٰلِكَ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا وَمَا فِيْهَا ۭ يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"And thus We have placed within every city the greatest of its criminals to conspire therein. But they conspire not except against themselves, and they perceive [it] not

The chiefs and leaders of the criminals referred to in this verse are those who opposed and defied Allah's *(SWT)* Messengers (AS). This reference draws connection with the chiefs of the Quraysh, who in a similar way, called others to disbelief, hindered them from the path of Allah *(SWT)* and showed hostility against Prophet Muhammad *(SAAW)*. Allah *(SWT)* declares at the end of the verse that the curse of what these criminals do against His *(SWT)* servants and Messenger *(SAAW)* recoils back on them, thought they do not perceive it.

Verse 124

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝

"And when a sign comes to them, they say, "Never will we believe until we are given like that which was given to the messengers of Allah." Allah is most knowing of where [i.e., with whom] He places His message. Humiliation from Allah and severe punishment will be afflicted on the guilty for what they used to conspire.

This verse alludes to one of the many demands made by the disbelievers. The disbelievers said to the Holy Prophet *(SAAW)* that they would never follow him *(SAAW)* unless they too started receiving the kind of revelation that the Holy Prophet *(SAAW)* did.

This clearly shows that the disbelievers were unwilling to believe in the 'statements' of the Prophets *(AS)* that an angel (Jibreel *AS*) of Allah *(SWT)* came to each of them and delivered the message of Allah *(SWT)*. They would believe, they said, only if the angel *(AS)* approached them directly and 'revealed' Allah's *(SWT)* message directly to them.

The verse specifies that the station of Prophethood or Messengership cannot be acquired through intellectual perfection, utmost striving, devotion, family nobility or wealth, nor it is controlled by human beings. Instead it is nothing but divine grace from Allah *(SWT)*, which He *(SWT)* bestows on whomever He *(SWT)* Wills as He *(SWT)* knows best who is suitable for it.

The verse concludes with a stern warning for those who oppose His *(SWT)* Messengers *(AS)* and hinder others from following them *(AS)*. Therefore, Allah *(SWT)* says that a disgraceful punishment and humiliation awaits such criminals as a recompense of the evil schemes and plots they used to devise against the Prophets *(AS)*.

Verses 125

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"So whoever Allah wants to guide– He expands his breast to [contain] Islam; and whoever He wants to misguide- He makes his breast tight and constricted as though he were climbing into the sky. Thus does Allah place defilement upon those who do not believe."

The verse declares that for whomever Allah *(SWT)* Wills, He *(SWT)* makes it easy for him to follow Islam and opens his heart to Tawhid (Oneness of Allah) and for the understanding and acceptance of the Truth. Thus he becomes more and more uninterested in the fleeting enjoyments and luxuries of this world while the Hereafter becomes the real object of his desires. Allah *(SWT)* then declares that whoever does not accept guidance then Allah *(SWT)* makes his heart narrow i.e. to accept the truth and act in accordance with it becomes very difficult for him, because of the heaviness of faith on him. The verse concludes by declaring that Allah *(SWT)* brings disgrace and humiliation on those who do not believe by making their hearts closed for guidance and the acceptance of truth.

It must be noted that 'to expand someone's breast to Islam' means to make him feel fully convinced of the Truth of Islam and to remove all his doubts, hesitations and reluctance.

Verse 126

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝

"And this is the path of your Lord, [leading] straight. We have detailed the verses for a people who remember."

The path referred to in this verse is Islam, which is legislated by Allah *(SWT)* in His *(SWT)* Infinite Wisdom for His *(SWT)* servants to

follow. The verse declares that Allah *(SWT)* has elaborated the Straight Path by revealing this Glorious Qur'an to His *(SWT)* Messenger *(SAAW)*.

Verse 127

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"For them will be the Home of Peace [i.e., Paradise] with their Lord. And He will be their protecting friend because of what they used to do".

The verse elucidates that those who spend their lives righteously, according to the edicts of Allah *(SWT)* and His *(SWT)* Messenger *(SAAW)*, will enjoy 'the Abode of Peace', i.e., they will be admitted into Paradise as a reward for their faith and good deeds. In Paradise, they will be in absolute peace and protection of Allah *(SWT)* as they will be safe from every misfortune and evil.

Verse 128

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

"And [mention, O Muhammad], the Day when He will gather them together [and say], "O company of jinn, you have [misled] many of mankind." And their allies among mankind will say, "Our Lord, some of us made use of others, and we have [now] reached our term which You appointed for us." He will say, "The Fire is your residence, wherein you will abide eternally, except for what Allah wills. Indeed, your Lord is Wise and Knowing".

This verse, while referring to the Day of Judgement, elaborates that on that Day, Allah *(SWT)* will gather all the evil Jinns and their helpers and supporters from among the mankind who used to invoke them for help and worshipped them. Then Allah *(SWT)* will reprimand the entire assembly (of evil Jinns) for misguiding humans from the Straight Path.

Furthermore, the verse then refers to the supporters of the evil Jinns from among the mankind. They will have nothing to say on that Day

but to confess that they followed the instigations of the devils in their worldly life, went astray themselves and hindered others from the Right Path, until their appointed term came and they were resurrected to see it in front of them which they used to deny. This verse also tells us that there can be cooperation between the devils and the wrongdoers amongst men. The evil doers learn different ways of securing worldly gratification with the help of these devils and invoke them for help and protection and in inquest to know things from the Unseen. The devils and their supporters will be thrown into the Hellfire, where they will remain forever, except for whomever Allah *(SWT)* Wills to forgive i.e. those believers who indulged themselves in evil deeds but did not disbelieve or commit Shirk (suggesting a partner to Allah) will eventually leave the Hellfire and be admitted to Paradise.

It must be noted that even though Allah *(SWT)* has the absolute right to punish whoever He *(SWT)* wishes and to forgive whoever He *(SWT)* wishes, His *(SWT)* punishing and forgiving will be neither arbitrary nor whimsical. It will rather be founded on absolute knowledge and wisdom. Allah *(SWT)* will forgive those whom He *(SWT)* knows not to be responsible for their guilt, and thus not liable to punishment according to His *(SWT)* wisdom and justice.

Verse 129

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

"And thus will We make some of the wrongdoers allies of others for what they used to earn".

The verse portrays a picture of the Day of Judgement and expounds that the wrongdoers amongst the Jinn and mankind will be grouped together on the Day of Resurrection and they will be united in the Hellfire because of their mutual friendship in this world. Just as the wrong-doers had been accomplices in sin and evil during their earthly life, they would remain companions in the Hereafter as well and share its punishment.

==

And Allah *(SWT)* Knows Best!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وفاق المدارس سے الحاق شدہ

کلیۃ القرآن (قرآن کالج) لاہور

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔'' (حدیث نبوی ﷺ)

درس نظامی کے ساتھ ساتھ میٹرک (آرٹس، سائنس)۔ ایف اے۔ بی اے اور ایم اے کے خواہش مند طلبہ کے لیے

آن لائن داخلے شروع

- کرونا وائرس اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے لاہور تشریف لائے بغیر بذریعہ واٹس ایپ اپنے کوائف ارسال کریں۔ مطلوبہ قابلیت کا جائزہ لینے کے بعد داخلہ دینے یا نہ دینے کے بارے آپ کو اطلاع کر دی جائے گی۔
- ریگولر کلاسز کے لیے حکومت پاکستان/وفاق المدارس کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔
- کوائف ارسال کرنے کے لیے درج ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

1۔	مولانا محمد فیاض صاحب	0322-4939102
2۔	شہریار صاحب	0301-4882395

خصوصیات

- دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم
- حفاظ، ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے مراعات
- وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ/پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
- نمایاں پوزیشن والے طلبہ کے لیے وظائف

المعلن حافظ عاطف وحید، مہتمم ریاض اسماعیل، پرنسپل

Quarterly
Apr - June 2020

HIKMAT-E-QURAN

Lahore
Vol. 39 No. 2

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ــــ اور ــــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ــــ اور ــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ ــ اور ــ غلبۂ دینِ حق کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ